هو الکل
یامعین

تصوف کا پہلا درس

تسکین احساس

مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

کا لکھا ہوا

محرم سنہ ۱۳۴۳ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۲۴ عیسوی

میں

دوسری بار

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

ترقی

طبع دوم

سفرنامہ

مصر و فلسطین و شام و حجاز

یہ باتصویر سفرنامہ ہے جس میں مصر بیت المقدس، ملک شام اور حجاز کے مفصل حالات ہیں ضخامت ۱۰۳ صفحے۔ کاغذ معمولی خط بہت باریک۔ تصویریں عکسی حسب ذیل ہیں:۔ مصر کا ابوالہول مصر کے مشہور مینار اہرام۔ مصریوں کے کھانا کھانے کا طریق۔ حضرت یوسفؑ کی اصلی تصویر۔ مصری سکے۔ ترکی سکے۔ مصر میں جشن میلاد شریف بیت المقدس میں حضرت موسیٰ کا عرس، بیت المقدس کا بڑا گرجا جہاں حضرت عیسیٰ کی سولی دکھائی گئی ہے۔ یہودیوں کا لاٹ پادری بیت المقدس کا حرم۔ بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کا منبر۔ مولوی خاندان کا حال قال۔ مولویہ خاندان کی قوالی ایک کردی درویش ایک اور بزرگ کی تصویر مسجد دمشق کا وہ مینارہ جس پر حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے، سلطان صلاح الدین مجاہد کا مزار۔ قیمت پہلے تین روپے تھی اب دو روپے ہے۔

یاسین

دراقِ

تسکین احساس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ثنا یا اللہ تو اس جہان کے کسی زمانہ میں اتنا کھلم کھلا اپنے بندوں کے سامنے نہیں آیا جتنا آج کل ہر شے میں ہر آنکھ کو نظر آنا چاہتا ہے۔ میں تیری حمد اور تیری تعریف کس کس موقع پر کروں جدہر نظر اٹھاتا ہوں تجھ ہی کو پاتا ہوں ۔

جب تو نے قرآن نازل فرمایا تھا تو شروع کی بسم اللہ ہی میں تجھ کو اس قدر پردہ داری منظور تھی کہ اپنی ذات کی نشانی حرف الف کو حرف بے اور حرف سین کے درمیان بالکل چھپا دیا تھا۔ پڑھنے والے مجبور تھے کہ باسم اللہ نہ پڑھیں بلکہ الف کو مخفی رکھکر صرف بسم اللہ ہی زبان سے ادا ہو۔

میرے وجد کے سجدے کو میرے جسم کے تمام اعضا نے دیکھا تھا جبکہ ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جرمن کے قیصر ولیم کی نسبت غور کرتا رہا کہ وہ کیا چیز ہے۔ یکایک میں نے تجھ کو مجسم کتنا اپنے اسمائے صفاتی کے حجاب میں وہاں دیکھا۔ ایک طرف اسم قہار و جبار کی چادر تھی۔ دوسری طرف اسم انتقام و القلاب کی نقاب تھی۔ بیچ میں بیچارہ ناک کٹا پتلا (رسوائی) کا خود ساختہ کھلونا قیصر ولیم بیٹھا تھا جب میں نے تجھ کو اچھی طرح پہچان لیا تو میرے اعضا بے اختیارانہ حالت میں رقص کرتے ہوئے تیرے سامنے سجدے میں گر پڑے اور یہ تیرے عرفان کی فہمیدہ حمد و ثنا تھی ۔

میں سفید و سیاہ و سرخ و زرد اقوام کی باہمی جنگ و نبرد اور عداوت و کینہ توزی کو گلا گھوٹنے والی تکلیف سے دیکھ رہا تھا کہ یکایک تیری انگشت متحرک صفت جلال کی شعاعیں چمکاتی اسکے اندر مجکو آتی دکھائی دی اور میرا ادراک خوف و بیم سے حواس باختہ ہو کر تیری پناہ مانگنے کو تیرے آگے سر بسجود گر گیا اور میں نے سمجھا کہ آج کل تجکو اسی قسم کی حمد و ثنا عزیز ہو گئی ہے۔

مجھے لائڈ جارج کی خودسری انتہائی نظر آئی میں نے لینن کے خیالات انقلاب کو گھبرا گھبرا کر سوچا۔ مجھ کو مسلمانوں کے زوال اور ترکوں کے خاتمہ کا اندیشہ ستانے لگا تو پھر تیری ایک جھلک جلووں کی بجلیاں تڑپاتی نگاہ کے اندر آتی معلوم ہوئی اور میں نے بغیر کسی وہم و تامل کے تجکو شناخت کر لیا اور یہی وقت تھا جبکہ میری بصیرت کے ہاتھ تیرے عرفان کے قدموں کو پکڑے ہوئے تھے اور میری بندگی کے ہونٹ بیتابانہ ان کو چوم چوم کر مست ہو رہے تھے اور یہی عہد حمد و ثنا تھا۔

میں جنگ یورپ کے زخمیوں کی چیخ و پکار میں تیری جباری کو پہچانتا تھا میں لڑائی کے کشتوں میں تیرے اسم فناکن کا جلوہ پاتا تھا میں ہتھیاروں کی ہر ضرب اور مضروب کی ہر چوٹ کو گنتا تھا اور انکے احساس اذیت کو اپنے اوپر طاری کرتا تھا۔ مگر آخر میں ہمیشہ تو حجاب کا سر اسر کا کر اور مجکو اپنا تھوڑا سا جلوہ دکھا کر احساس کی اذیت کو نابود کر دیتا تھا اور میں اپنے اندر تسکین احساس کی کیفیت محسوس کر کے ھذا من ربی ھذا من ربی کا نعرہ لگا کر جھوم جاتا تھا۔

لڑائی کے ایام میں اور اسکے بعد نوع انسان نے بھوک اور ضروریات زندگی کی گرانی سے دم توڑنا شروع کیا اور زندگی آدمی کو وبال معلوم ہونے لگی تو میرے حواس رزق طلبی یا رزاق یا فتاح کی صدائیں لگانی شروع کیں۔ مگر میری پکار نے تیری عطا کے کسی دروازہ کو کھلتا ہوا نہ دیکھا اور مجھ پر یاس نے ایک ہراس طاری کر دیا۔ یکایک قرآن کی زبان میں تیری آواز مجکو سنائی دی کہ ہم بھوک اور نقصان جان و مال سے اپنے بندوں کو آزمایا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آخر آزمایش کی کوئی حد بھی ہونی چاہئے۔ تو نے کسی سے کہوایا۔ ہاں یہی حد ہے کہ تجکو اس کا حس دیا جب بندے اس حس کے ذریعے خدا کے اقتدار رزاقی کو پہچان جائینگے تو ان کو بھوک پیاس اور ضروریات معیشت

کی بیقراری سے آزاد کر کے تسکین احساس کی نعمت دیدی جائیگی یہ سنتے ہی میں نے اللہ ربنا اللہ ربنا وَھُوَ خیر الرازقین کا نعرہ لگایا جسکو سنکر دل بولا یہی ہے سچی و اصلی حمد و ثنا۔

ہندوستان میں حاکم و محکوم ایک دوسرے پر بگڑتے تھے سینوں پر غیظ و غضب کے ہتھیار بستے تھے۔ ڈائر اور ڈوائر کی مورتیں پنجاب کے چہرے پر رقص کرتی تھیں۔ گاندھی اس رقص بیجا پر ماتم کرتے تھے مگر مگر اضطراب حواس کی قیامت آئی تھی میں نے دل کا دروازہ کھول کر جور و جبر کے مناظر دیکھے اور صبر و ضبط کی آہ و زاری سنی تو بیتاب ہوگیا اور کہا کہ الہی یہ آفت کہاں سے آگئی اور کیونکر جائے گی۔ مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا سوائے اسکے کہ فرش سے عرش تک اضطراب و انقلاب کی ایک تیرہ و تاریک آندھی نظر آتی رہی میرا سانس رکنے لگا اور زیست سے بیزار ہوکر میں نے پھر ایک بار یا اللہ کہا اس وقت ایک شعاع حسن انجام مینی میں پیدا ہوئی اور اسکے نور میں میں نے دیکھا کہ وہی جناب عالی اپنی صفات کے گوناگوں جلووں کو بندوں پر برسا رہے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میری بام کا زینہ ہے دیکھے جس کا جی چاہے۔ اتنا سنتے ہی میں نے ماتھا زمین پر رکھ دیا اور رحم یا اللہ فضل یا اللہ کہنے لگا کہتے کہتے میں نے ایک تسکین اپنے حس اضطراب میں محسوس کی اور میں سمجھا کہ میری حمد و ثنا قبول ہوئی اور یہی علاج اس اضطراب عالمگیر میں تسکین احساس کا تھا نعمت تسکین احساس کی نعمت عظمی حاصل ہونیکے بعد پھر ایک قسم کا اضطراب قلب کی سطح باطن میں نمودار ہوا اس میں محبت کا ذوق لبالب بھرا ہوا تھا اس سے میں نے سمجھا کہ وہ اضطراب تسکین طلب نہیں ہے بلکہ ترقی حیات ظاہر و باطن کیلئے ایک فطرتی جذبہ بیقراری ہے اور اس کا بھڑکنا موجب تسلی و اطمینان ہے۔

قرآن کی ہیکل لفظی کے دروازہ پر الف لام میم تین حرف جلی قلم سے لکھے نظر آئے ان حروف کا مطلب پوچھا تو کسی نے نہ بتایا اور کہا یہ حروف مقطعات ہیں ان کے معانی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قرآن میں اور بھی بہت سے حروف اسی قسم کے ہیں

عشق کے تلاطم قلبی نے حروف کو مخاطب کر کے اس بیان کی تصدیق چاہی تو وہ شکر لیے اور بولے یہ ہیکل الہی کلام کی ہے یہاں بے معنی و بے حقیقت کوئی چیز نہیں ہے سُن! میں الف اسم ذات

کا اشارہ ہوں جو اوّل الوجود ہے اور جسکے سہارے یہ سب ہست و بود ہے۔ لام بولا میں عقلِ اوّل ہوں یہ میرا نہی نام جبرئیل ہے۔ میم خاموش رہا مگر لام نے اسکی نیابت کی اور کہا اس حرف میں ذاتِ محمدی کا اشارہ ہے کہ وہ آخر الوجود ہے اور ذاتِ اوّل الوجود کے ظہور کی نشانی ہے اسکے وجود کی نمود سے اپنے اظہار کے وعدے کو مکمل کرتی ہے میں اس اوّل اور آخر کے وسط میں ایک حجابِ ادب ہوں یہ رخ نازو ادا ہوں ۔

میں نے محمدؐ کا نام سنا تو دل میں شوقِ نعت کی آگ بھڑک اٹھی اور سورۂ اعراف کے آلمص کو زبانِ حال سے پڑھنے لگا اور کہا میں محمدؐ کی نعت کیونکر ادا کروں حروف بولے الف سے اللہ کا یقین کر باعتبارِ ذاتِ احدیت کے اور لام سے ذاتِ احدیت کو پہچان صفتِ علم کے ساتھ اور میم کو ذاتِ محمدی کی معنویت اور حقیقت جان اور صاد کو اس محمدی حقیقت کی صورت اور جسم ظاہر مان۔

حروف کا یہ دوسرا درس سنکر مجھکو پھر عالمِ مادیات کی تکلیف اور بیقراری نے مضطرب کیا اور حضرت ذکریا کی دعا یاد آئی۔ کہ قرآن میں جہاں انکی دعا مذکور ہوئی ہے اسکے سرے پر کہیعص پانچ حروف لکھے گئے ہیں ک۔ ھ۔ ی۔ ع۔ ص۔ میرا سر ان حروف کی جانب بھی مراقب ہوا تو زبانِ القا نے یہ مکاشفہ طاری کیا کہ اگر تو اضطرابِ حال میں تسکینِ حواس چاہتا ہے تو ذکریا نبی کی طرح دعا مانگ مگر اس طرح کہ ذاتِ اللہ کو کافی اور کارسازِ کل یقین کر کہ ک میں اسی کا اشارہ ہے اور اپنے سب ارادوں کا اسی کو ہادی جان کہ حرف ھ یہی ظاہر کرنیکو نمودار ہے یقین کو علم و عقل کی طاقت سے بڑھا اور کافی و ہادی تک جا کہ ی اور ع اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مظہرِ صدق و صفا محمد مصطفےٰ کو ہر وقت نظرِ تعلق کے سامنے رکھ کہ وہ وجودِ آخری ظہورِ ذات کا اس کائنات میں ہے اور اسی کے تعلق سے تمام مقاصد جسمانی و معنوی مکمل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ص کو آخر میں لگایا گیا۔ ذکریا نبی بھی اسی ص کے صدقہ میں کامیاب ہوئے تھے۔

صاد کا یہ بیان سنکر قرآن کی سورۃ ص یاد آگئی اور میں نے اسکو محمدی صورت کا پورا سراپا پایا اور زبان سے سلام و صلوٰۃ کا نعرہ لگایا میری یہ نعت مقبول ہوئی اور مجھکو ق والقرآن المجید تک

پہنچا دیا اس وقت قاف کے اندر میں نے قلب محمدی کو دیکھا جو عرش الٰہی تھا اور کُل کائنات اس میں محیط تھی وہاں میں نے حقیقت کا راز پوچھا جواب ملا ان حروف میں اشارہ ہے حق ظاہر ہوا محمد کے علم کی سلامت قلبی سے بس حق وجود محمدی ہے ظاہراً و باطناً اور علم ان کے قلب کی سلامتی ہے۔ ہر نقص اور آفت سے یعنی وہ علم تمام نقائص سے پاک کامل اور اکمل ہے۔

حروف مقطعات کے ان اسرار و رموز کو مشاہدہ کرنیکے بعد کمال یکسوئی اور طمانیت خاطر مجھکو نصیب ہوئی اور میں نے ذوق خالص سے یہ درود پڑھا اللھم صلی علی محمد و بارک وسلم علیہ جس وقت یہ درود میری زبان سے نکلا جسم و روح کے تمام مضطرب حواس ساکن اور مطمئن ہو گئے اور میں نے سمجھا کہ نعت محمدی کا حق پورا ہوا اور تسکین احساس کا اجر مجھکو ملگیا اور وہ یہی تھا کہ میرے جسم کے تارہائے عصبی حقیقت محمدیہ کے مضراب ہدایت سے بجنے لگے۔ اور میں نے اپنے اندر ہاہوت کی ہوہیئت دیکھی اور لاہوت و جبروت و ملکوت و ناسوت کے تمام نغمے صوت سرمدی میں سنے اور میری وہ قوت متفکرہ جو ایشیا و افریقہ عرب و عجم کے انقلابات غم افزا پر شب و روز ماتم کیا کرتی تھی اور جسکے نوحہ بجانے میرے وجود کی تمام کیفیات راحت طلب کو بیکل کر رکھا تھا ان نغمہائے روح افزا سے یکسو و مطمئن ہو گئیں اور میں نے صاف صاف زبان ناسوتی میں اپنے ذہن کی یہ مستانہ باتیں سنیں۔

محمد بگویم و مستی کنم۔ دیکھو دیکھو اعصاب است میں برق محمد کی جولانی دیکھو۔ آہمت تو کبھی کبھی سرکار رہ کو بھول گئے باپ نے بیٹی کو اکیلا چھوڑ دیا۔ مگر یہاں تم و ہر رگ میں اور خون کے ہر قطرے میں اور پٹھے کے ہر تار میں اور ہڈی کے ہر جوف میں آمنی آمنی کی صدا لگا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں ا
نیچے نہ گھبرائیں ہم ان کے پاس موجود ہیں ہاں ہاں آپ تو آج مجھکو بھی نظر آتے ہیں۔
مجھے اپنا طواف کرنے دیجئے میں آپ پر قربان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کی میلی چادر کا دامن اپنے سر پر لینا چاہتا ہوں۔ اپنی فریادوں کو آپ کے ذات احدیت کے آئینہ صفاتی آپ کے قدموں میں ڈالنا چاہتا ہوں ایک فریاد تاراج و غارت کے برباد ہونیکی ہے ایک ناشاد و نامراد بچانیکی ہے ایک اسکی ہے کہ برکات

توحید پرستی ہم سے چھن رہی ہیں قوائے ایمانیہ ہم سے سلب ہوتے جاتے ہیں۔ رہبروں اور پیشواؤں سے آپکی تجلی معنویت اور لدُنی کیفیت نابود ہوتی جاتی ہے۔ ایک یہ ہے کہ دنیا کے ہر ٹکڑے پر اقوام غیر میں ہم ذلیل و رسوا اور بدنام ہو رہے ہیں۔

عمامے والے محمدؐ گیسو لٹکانے والے محمدؐ چشم مخمور کے دست نگاہ سے جام سرشار پلانے والے محمدؐ زیر لب مسکرانے والے محمدؐ اپنے شیفتہ کو سخن دلنواز سے سمجھانے والے محمدؐ بے سہاروں کا سہارا بنیئے دیکھیئے ہم ڈوبے جاتے ہیں۔ طوفان حوادث ایام ہم کو غرقاب کئے ڈالتا ہے ہمارے پاس عزت نہیں ہی دولت نہیں ہی اور اب روٹی بھی ہاتھوں سے نکلی جاتی ہے۔ ہمکو لاوارث سمجھکر اغیار ٹھکرانا چاہتے ہیں ؛

آج کی اس نعت کو قبول فرمایا جمال جہاں آرا دکھایا۔ حواس مضطرب کے دم میں دم آیا بیشک ایمان ہے کہ آپ ہر امتی کیساتھ ہیں اگر وہ بھی آپکے ساتھ ہو آپ ہر ایوس و بے کس کے مونس ہیں اگر وہ آپ کی مونسی اور معیت کو بھول نہ جائے۔

آیئے امت کے احساس مضطرب کے تاروں کو بھی مضراب تسکین سے نوازیئے تاکہ وہ اپنے نغمۂ قدیم کو سنکر موجودہ وقت کے افسردہ کن بیوقتی راگ کو بھول جائے اور محمد نا ہو سیدنا ہو سیدنا ہو سیدنا کا گیت مستانہ وار جھوم جھوم کر اور کلیجہ تھام تھام کر گائے جس سے اس کے غم و آلام دور ہوں اور اسکے ادراک احساس میں جمعیت تامہ اور تسکین کاملہ نازل ہو۔ آمین ؛

اضطراب کی قیامت

آج ہجرت کی چودہویں صدی کا انتالیسواں ۳۹ سال ہے اور عیسویت کی بیسویں صدی کا بیسواں سال گزر رہا ہے اور جس طرف نظر اٹھاؤ اضطراب و بیچینی کے سوا امن و اطمینان کی صورت کہیں نظر نہیں آتی۔ درحقیقت ان دنوں دنیا میں اضطراب کی قیامت آئی ہوئی ہے جس میں ہر اقلیم ہر ملک ہر صوبہ ہر شہر ہر بستی اور ہر آدمی بلکہ ہر موجود مبتلا اور آلودہ ہے

یہ دنیا اگرچہ کبھی اضطراب سے خالی نہیں رہی اور ہر زمانہ میں طرح طرح کے اضطراب قوموں اور انسانوں میں پائے جاتے تھے مگر آجکل کے زمانہ میں ساری دنیا پر ایک ہی قسم کا اضطراب مسلط ہے۔ ہر قوم حاکم ہو یا محکوم اور ہر انسان ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ایک خاص قسم کے اضطراب میں اسیر اور مقید نظر آتا ہے اور باوجود ہاتھ پاؤں مارنے اور بے انتہا کوشش کرنے کے اس اضطراب کے جال سے کسی کو چھٹکارا نہیں ملتا۔ انسانوں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اضطراب کی اس قیامت نے عناصر کو بھی متاثر کیا ہے۔ آگ پانی ہوا بجلی بھی قیامت اضطراب میں مبتلا ہیں۔ بجلی سے گاڑیاں کھنچوائی جاتی ہیں پنکھے چلوائے جاتے ہیں۔ کارخانے چلوائے جاتے ہیں اندھیرے سے مقابلہ کرنے کو یہ بدنصیب رات بھر اسیر ملازمت رہتی ہے۔ پانی کا بھی یہی حال ہے۔ دن رات آگ میں جلتا ہے بھاپ بنکر ریلوں اور جہازوں کو کھینچتا ہے۔ جہاز اس کے سر پر اسے چلاتے ہوئے دوڑتے ہیں آگ سے بھی اسی قسم کی خدمات لیجاتی ہیں۔ ہوا کے سکون کو بھی ہوائی جہاز پراگندہ اور مضطرب کرتے ہیں۔ غرض ایک اندوہناک اضطراب جدھر دیکھو اوپر نیچے دائیں بائیں پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور ہر وجود کو اس اضطراب سے تسکین و رہائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

احساس۔ ایک عام فہم چیز ہے۔ ناسمجھ بچہ ماں باپ کو دیکھکر جب شگفتہ ہوتا ہے تو احساس کے ذریعہ بھوک سے روتا ہے تو احساس کے طفیل۔ جوان عشق بازی کرتا ہے نیک و بد کو سمجھتا ہے رنج و راحت سے متاثر ہوتا ہے صرف احساس کی وجہ سے جب اس احساس یا حس کے اوپر کوئی ایسی مضطرب کنندہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو احساس کو کسی وقت چین نہ لینے دے تو انسان کے جسم و روح کو اس تکلیف احساس کے سبب کسی آن چین نہیں آتا اور وہ دونوں ملکر تسکین احساس کی تلاش کرنے لگتے ہیں۔

قرآن شریف میں اس تسکین احساس کا ایک عام فہم نسخہ خدا تعالیٰ نے علی الاعلان شائع فرمایا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔ آگاہ ہو جاؤ خدا کے ذکر کرنے سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس نسخہ کو خدا کے یقینی اور سچے کلام میں پڑھنے کے بعد ہر شخص سوال کر سکتا ہے کہ مسلمان تو خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ نسخہ اثر

قلوب اور بجنی حواس میں مبتلا ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر الٰہی کا حق ادا مسلمانوں کے حافظہ سے اتر گیا ہے وہ خدا کا یاد کرنا بھول گئے ہیں ان کی نماز جو معراج المومنین خطاب کی تھی معراج افکارات دنیا ہو گئی ہے کہ جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو تمام امورات دنیا کے تصفیہ نیصلہ کو نظر تخیل کے سامنے رکھتے ہیں اور اسکو بھول جاتے ہیں کہ ہم ایک بڑے شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اور دربار کے آداب و وقار کے خلاف ہم سے یہ حرکتیں ہو رہی ہیں۔

ان سے اگر کہو کہ حدیث صحیح ہے لا صلوٰۃ الا بحضور القلب نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے تو وہ کہتے ہیں کیا کریں دل حاضر نہیں ہوتا۔ اس پر افکار دنیا اور تعلقات دنیا داری کا اسقدر ہجوم ہے کہ باوجود خیالات کو ہٹانے اور یکسو کرنے کے وہ یکسو نہیں ہوتے اور جب نماز شروع کرتے ہیں اس وقت خبر نہیں کہاں کہاں کے جھگڑے تصور میں امنڈ کر چلے آتے ہیں

پس جب تک ذکر الٰہی خاص ذکر و فکر کی شان سے نہ ہو قرآن شریف کے اعلان کا اثر کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس نے فرمایا ہے کہ خدا کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے مگر جب فرض نماز کی ادائیگی جو ذکر خدا کا ایک مقررہ طریقہ ہے ذکر و فکر کی اصلی شان سے نہ ہو تو اطمینان قلب کیونکر میسر آئے۔

درویشی کا منتہا تسکین احساس تھا

خطرات قلب کا مذکورہ نموذج کوئی نئی چیز نہیں ہے ہر زمانہ میں انسانوں کے دل ایسے ہی ہوتے آئے ہیں اور ان کو ذکر الٰہی کے صحیح راستہ پر لگانے اور اطمینان کی اصلی شان ان میں پیدا کرنے ہی کے لئے تصوف اور درویشی کا مشرب عالم وجود میں آیا ہے جسکا منتہائے مقصود تسلی قلوب و تسکین احساس تھا

کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر الٰہی کے یہ طریقے نہیں بتائے نہ قرآن میں ان کا کہیں ذکر ہے جو درویشوں نے ایجاد کئے ہیں۔

اون کو جواب دینا چاہئے کہ قرآن نے تو اصولی احکام دئے ہیں فروعات کی تفصیل تو نماز کی بھی اس میں نہیں ہے جو اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور حدیثوں میں ان طریقوں کے

مذکور نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کے وقت ذات محمدیہ کی تجلیات ہر قلب مومن پر جلوہ فگن تھیں اور کسی شخص کو ان طریقوں سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی اس واسطے ان احادیث میں جمع تدوین شریعت کے لئے کتابوں میں جمع کی گئیں ان کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ یہ علم سینہ بسینہ کی تعلیم میں بذریعہ سیدنا حضرت علیؓ امت کے حوالے ہوا اور اسکو درس تحریر کی صورت اس وقت تک نہ دی گئی جب تک کہ قلوب میں تحریر و اظہار کے بغیر ذکر الٰہی کا اثر اصلی برقرار رہا اور جب اس اثر میں کمی آنے لگی تو مریدان سیدنا علیؓ نے اس تعلیم و تلقین کو کتابوں میں لکھنا اور خانقاہوں میں بطور درس عام جاری کرنا ضروری سمجھا

درویشوں نے ذکر الٰہی کے طریقے انسان کی جسمانی حالت کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد قائم کئے تھے تاکہ حواس قلبی و دماغی کو ایک قرینہ خاص سے ترتیب دیکر ان میں ذکر الٰہی سے اثر فیض حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

اقوام غیر مسلم سے اخذ درویشی :- یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوفیوں کے بعض اشغال و اذکار غیر مسلم اقوام سے لئے گئے ہیں یا ان کے اشغال کے طریقوں سے مشابہ ہیں۔ اس واسطے جائز نہیں ہیں لیکن اس میں معترضین کی بڑی غلطی ہے ان کو اپنے مذہب اسلام کی حقیقت سے بھی زیادہ واقفیت نہیں ہے کیونکہ اسلام کوئی نو ایجاد مذہب نہیں ہے بلکہ مذاہب قدیم کی اصلاح یافتہ ایک صورت ہے اور قرآن نے خود صفائی سے اسکا اقرار کیا ہے کہ یہ دین ادیان سابقہ کا پاک شدہ خلاصہ ہے جو دین ابراہیمؑ کا تھا موسیٰؑ کا تھا عیسیٰؑ کا تھا وہی دین یہ اسلام ہے فرق صرف یہ ہے کہ ادیان گذشتہ میں جو اختلافے اور تحریفات خود غرض لوگوں کی طرف سے ہو گئی تھیں ان کو اسلام نے مٹا دیا اور دین کی ایک اصلاح شدہ صورت مسلمانوں کو دیدی۔

پس اگر ذکر الٰہی کے بعض طریقے غیر مسلم اقوام سے لئے گئے ہوں یا غیر مسلم اقوام سے مشابہ ہوں اور ان میں کوئی بات شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہو یا ان میں توحید کے اثر کی مخالفت نہ پائی جاتی ہو یا اسلامی اخلاق کی برعکسی ان میں موجود نہ ہو تو ان کو اپنے اندر لے لینے میں کچھ حرج

نہیں ہے اور شریعت نے اس کے خلاف کوئی حکم ممانعت کا نہیں دیا۔

اب پھر اوپر کے سوال پر بحث کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر درویشوں کے طریقوں پر ذکر الٰہی کرنے سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور احساس کو اصلی تسکین ملجاتی ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ باوجود اس کے کہ آجکل درویش حشرات الارض کی طرح جگہ جگہ پھیل گئے ہیں اور کوئی آبادی ان کے وجود سے خالی نہیں ہے مگر مسلمانوں کے اضطراب عام میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی بلکہ دن بدن زیادتی ہورہی ہے لہٰذا یا تو خدا کا وعدہ قابل شک ہے کہ ذکر الٰہی سے دلوں کو اطمینان میسر آتا ہے یا یہ سب درویش جھوٹے بناوٹی اور پیٹ کے کتے ہیں۔

یہ اُلجھا ہوا مسئلہ معمولی سی تشریح سے سلجھ سکتا ہے اور ذراسی غور میں اس مشکل کا حل ہوجاتا ہے کہ قرآن کا وعدہ سچا ہے اور درویش بھی سب کے سب جھوٹے اور بناوٹی نہیں ہیں۔ خرابی طریقہ طلب نے پیدا کی ہے یعنی اطمینان قلب اور تسکین احساس کی طلب صحیح طریقے سے نہیں کیجاتی بلکہ ایسے طریقوں سے تسکین احساس اور طمانیت قلب کی تلاش کیجاتی ہے جو بجائے مطمئن کرنیکے اور پراگندہ خاطر بنا دیتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص بے اولاد ہے اور خواہش اولاد میں اس کا دل ہر وقت بے قرار رہتا ہے اور اس کے احساس کو کسی صورت تسکین نہیں ملتی تو وہ ایک درویش کے پاس جاتا ہے اور صرف اولاد چاہتا ہے اس کے دل میں خدا کی یاد سے اولاد کی یاد زیادہ ہوتی ہے وہ خدا کو صرف ایک بچہ حاصل کرنے کے لئے یاد کرتا ہے اور کوئی غرض سوائے اسکے خدا سے اس کو نہیں ہوتی۔ درویش اگر اس سے کہتا ہے کہ خدا کی یاد میرے طریقوں کے موافق کرو تم کو قرب خدا حاصل ہوگا اور تم ہر قسم کی راحتیں اسی ذکر الٰہی سے حاصل کروگے اور اولاد کا حصول بھی ایک راحت ہے وہ بھی تم کو حاصل ہوجائیگی مگر وہ شخص جواب دیتا ہے کہ حضرت میں تو بہت گنہگار ہوں مجھ میں خدا کے قرب کی لیاقت نہیں ہے نہ میں دنیا کے جھگڑوں کے سبب اتنی فرصت رکھتا ہوں کہ ذکر خدا کروں۔ آپ ہی کوئی موثر و مجرب تعویذ دیدیجئے یا دعا فرمائیے جس سے مجھکو اولا

نصیب ہو جائے

یا مثلاً ایک آدمی پر قرضہ کا بار ہوتا ہے اور وہ اس کو دن بدن اس امید میں بڑھاتا جاتا ہے کہ ایک دن کسی درویش کے تعویذ سے یا عمل دست غیب سے یا دعا سے چھپر پھاڑ کر دولت میرے گھر میں آن پڑیگی یا کہیں سے دفینہ ملجائیگا یا کیمیا کا نسخہ ہاتھ آجائیگا اس واسطے وہ رات دن فقیروں کو تلاش کرتا ہے اور روزی بڑھانے کیلئے محنت و تلاش نہیں کرتا اور جب کسی درویش کے پاس جاتا ہے تو سوائے ادائیگی قرض اور حصول دولت کی خواہش کے اور کوئی درخواست اس کی زبان سے نہیں ہوتی اگر اس سے درویش یہ کہتا ہے کہ میرے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ذکر خدا کرو اس سے تم کو تسکین احساس ہوگی اور تمہارے قلب میں مستعدی پیدا ہو جائیگی جس سے تم خوب محنت کر کے روپیہ کماؤ گے اور قرضہ ادا کر دوگے تو وہ جواب دیتا ہے کہ جناب میں کچھ کر سکتا تو آپ کے پاس کیوں آتا میرے دل کو تو ہر وقت قرضہ کا فکر پراگندہ رکھتا ہے مجھ سے یہ جھگڑا نہیں ہو سکتا کہ خود کچھ کروں۔ آپ کا نام سنکر آیا ہوں۔ ہزاروں کو آپ سے فیض پہنچا ہے آپ کی جنبش لب میں سب کچھ طاقت ہے دست غیب کا ایک عمل بتادیجئے یا کیمیا کا کوئی نسخہ اگر آپ جانتے ہوں تو دیدیجئے۔ درویش کہتا ہے کہ دست غیب کا عمل کرنے میں بھی محنت کرنی پڑیگی اور کیمیا کا نسخہ آزمانے میں بھی دردسری درکار ہے جب تم یہ کر سکتے ہو تو ذکر خدا کیوں نہیں کرتے وہ تو اتنا دشوار بھی نہیں ہے اس سے تم کو سب کچھ حاصل ہو جائیگا تو وہ جواب دیتا ہے کہ جناب ذکر خدا بہت ٹیڑھی کھیر ہے میرا سیاہ دل اس کی اہلیت نہیں رکھتا مجھ کو تو صرف عمل یا نسخہ درکار ہے مگر آپ بخل کرتے ہیں تو خیر میں جاتا ہوں کسی اور دروازہ کو کھٹکھٹاؤں گا۔

یا مثلاً ایک شخص روزگار کا طالب ہے یا تجارت کی ترقی چاہتا ہے یا بیماری سے تندرست ہونے کا خواستگار ہے یا مقدمہ کی فتحیابی درکار ہے یا دشمن سے محفوظ رہنے کی غرض رکھتا ہے یا اعزاز کی ترقی و برتری چاہتا ہے۔ یا محبوب تک رسائی حاصل کرنے کی تمنا اسکو ہے۔

تو وہ اپنے ایک ہی مقصد کو درویش کے سامنے پیش کر کے اس کی ہمت باطنی اور قوت روحانی کی مدد مانگتا ہے۔ اس کو خدا کی محبت مطلق نہیں ہوتی وہ ذکر خدا کی طاقت کو جانتا بھی نہیں۔ اور اگر جانتا ہے تو پکی پکائی روٹی چاہتا ہے اور خود ذکر خدا کی محنت نہیں کرنی چاہتا۔

آپ یقین کیجئے کہ آج کل تمام آدمی ایسے ہی ہو گئے ہیں اور لاکھ آدمیوں میں شاید ایک آدمی بھی طالب خدا مشکل نظر آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو وہ نماز پڑھتے ہیں۔ گو وہ ظاہر داری کے لئے ذکر خدا بھی کرتے ہیں مگر ان کے دل کو اطمینان حاصل نہیں ہوتی۔ اور اُن کے احساس مضطرب اور اُن کے ارادے متزلزل رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل میں خدا کی مرکزی وحدت قائم نہیں ہوتی اور وہ صرف دنیا کی کسی غرض سے خدا کو یاد کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس ایک غرض کی طلب میں بھی پوری یکسوئی سے خدا ان کے سامنے نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت وہی غرض تصور میں رہتی ہے۔

اس کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ اضطراب حواس کی وبا عالمگیر ہوتی جاتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ خود درویش برباد ہو رہے ہیں۔ کیونکہ طالب خدا نہ ملنے کے سبب ان کو ذکر خدا کے طریقے سکھنے اور حاصل کرنے کا شوق نہیں رہتا اور وہ صرف تعویذ گنڈے اور عملیات سیکھتے ہیں اور اسی جنجال میں ان کی عمریں تمام ہو جاتی ہیں۔

میں نے ہندوستان کی ہر مشہور خانقاہ اور ہر مشہور درویش کو دیکھا۔ میں ممالک مصر و شام و حجاز میں گیا اور وہاں کے مشائخ کو بھی نظر غور سے دیکھا ہر جگہ ایک ہی حالت پائی ان میں اکثر دنیا کے سکرات میں اور دنیا داری کی نزع میں مبتلا پائے گئے۔ الا ماشاء اللہ اور اس کا سبب میرے ذہن میں یہی آیا کہ خرابیاں مریدوں اور طالبوں نے پیدا کی ہیں کہ ان کی طلب صحیح نہیں ہے۔

میں اجمیر شریف اور کلیر شریف کے مشہور عرسوں میں مشائخ کو دیکھتا ہوں

کہ وہ عملیات کی تجارت کرنے وہاں جاتے ہیں اور وہاں ان کو باقاعدہ دوکان داری کرنی پڑتی ہے وہ مریدوں کے غول کے غول ساتھ لئے کر مزارات یا مجالس سماع میں جاتے ہیں تاکہ دوسرے دیکھنے والے ان کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ مجمع عام میں ذکر و شغل کے حلقے کرتے ہیں تاکہ ان کو خدا رسیدہ سمجھا جائے۔ وہ سماع خانہ میں منتظمین کو رشوتیں دے کر ایسی ممتاز جگہیں حاصل کرتے ہیں جہاں ان پر حاضرین کی نظریں پڑیں اور ان کی جنس درویشی کا اشتہار ہو سکے۔ وہ اپنی مجلسوں میں دوسرے درویشوں کی غیبتیں کرتے ہیں تاکہ ان کے مرید سوائے ان کے اور کسی پیر کے اثر میں نہ چلے جائیں۔ وہ اپنے کمالات اپنی زبان سے خود بیان کرتے ہیں وہ فرضی بیماروں کو تیار کراتے ہیں جو ان کے سامنے آ کر ایک چھو کرنے سے اچھے ہو جاتے ہیں وہ دلالوں کے ذریعے سے اپنی کرامتیں مشہور کراتے ہیں وہ اپنے خلفا کو خفیہ تلقین کرتے ہیں۔ کہ لوگوں میں میرے تصرفات و کرامات کا ذکر کیا کریں۔

یہ سب کیوں ہے؟ اس واسطے کہ طالبوں کی طلب گمراہ ہو گئی ہے اور خدا کی طلب لوگوں میں صحیح طور پر باقی نہیں رہی۔ جیسی روحیں ہیں ویسے ہی فرشتے ہیں یا جیسے مرید ہیں ویسے ہی پیر ہیں جیسے مقاصد ہیں ویسے ہی ان کے حل ہیں۔

اگر درویش اور پیر ایسا نہ کریں تو اول تو خود ان کی روزی جاتی رہے اور کوئی ان کو ایک کوڑی کو بھی نہ پوچھے دوسرے اولیاء اللہ کا یہ رہا سہا عقیدہ بھی دلوں سے گم ہو جائے اور تصوف اور اہل تصوف کا نام و نشان باقی نہ رہے جو کچھ نظر آتا ہے برا ہے یا بھلا موجود تو ہے ایک عمارت بنی ہوئی کھڑی تو ہے۔

اگر چراغ دکھانے والا کوئی بڑا آدمی ہے تو تم اس کو دیکھتے کیوں ہو روشنی کو دیکھو اور راستہ چلو۔ کہ جو چراغ اور چراغ دکھانے والے کو دیکھتا رہتا ہے وہ راستہ نہیں چل سکتا بلکہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔

ہم طالبوں کا مقصود خدا کا راستہ ہونا چاہئے ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے رہنما ہمکو خدا کا راستہ بتلاتے ہیں یا نہیں۔ پس اس کے سوا ہم کو یہ مناسب نہیں ہے کہ ہادیوں کے ذاتی چال چلن اور عیب و ثواب تلاش کرتے ہیں عمر برباد کریں حاصل مقصد یہ ہے کہ اگر مریدوں میں خدا کی سچی طلب پیدا ہوجائے اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ ہم سب کا اصلی مقصود مرید ہونے سے یہ ہے کہ خدا کی محبت و الفت دل میں پیدا ہو اور پیر کے ذریعہ سے ہم اطاعت خدا کے ایک مرکز پر آجائیں۔ اور پیروں سے ذکر خدا کا طریقہ پوچھا جائے اور ذکر خدا کو ہی تمام مقاصد دنیا کا کفیل سمجھا جائے۔ کیونکہ درحقیقت ذکر خدا صحیح طریقہ سے کیا جائے تو قلب و احساس میں تسکین و اطمینان پیدا ہوتا ہے اور انسان کے عزم و ارادہ میں قوت بڑھتی ہے جس سے وہ دنیا کی ہر مشکل کو حل کرلیتا ہے اور تائید الٰہی اس کے ہر مقصد دنیاوی میں پرزور کفالت کرتی ہے اور وہ کسی مراد سے محروم نہیں رہتا۔ تو چند روز میں اچھے اور کامل درویش بھی دستیاب ہونے لگیں اور مریدوں کا بھی بیڑا پار ہوجائے ۔

میں ذاتی مشاہدات اور بزرگوں کی تعلیمات کی بنا پر پورا یقین رکھتا ہوں کہ ذکر خدا میں یہ طاقت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ پر کیا جائے تو اولاد کی نعمت بھی مل جاتی ہے اور مقدمات بھی فتح ہوجاتے ہیں۔ بیماروں کو تندرستی بھی حاصل ہوجاتی ہے قرضے بھی ادا ہوجاتے ہیں روزگار اور معاش میں بھی کشائش ہوتی ہے۔ اعزاز بھی ترقی کرتا ہے محبوب و مطلوب مجازی بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔

جب تمہارے دلوں میں ذکر خدا اپنا گھر بنا لیتا ہے تو تمہارے ہر کام اور ہر کوشش میں تائید ربانی ہوتی اور تمہاری ہر دعا قبول ہوتی ہے تمہارا ہر عمل

اور ہر وظیفہ موثر ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی نعمت تو تسکین حواس کی نصیب ہو جاتی ہے یعنی ذکر خدا کرنے سے تمہارا دل اتنا قوی ہو جاتا ہے اور تمہارے حواس باطنی اور ظاہری میں اتنی توانائی آجاتی ہے کہ تم دنیا کے افکار کو ہیچ سمجھنے لگتے ہو۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تم سراسیمہ اور مضطرب نہیں ہوتے اور دل میں توکل اور خدا کی مرضی پر رضامند رہنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اگر تم مقروض ہو تو ذکر خدا کی قوت تم میں ہمت دیتی ہے اور تم سعی اور رزق حلال کی طلب میں آگے بڑھتے ہو اور کفایت شعاری اختیار کر کے ادائیگی قرض کا مستعد ارادہ تم میں پیدا ہو جاتا ہے:

تسکین حواس ایسی دولت ہے جس سے تم ہر مشکل مقدمہ اور ہر ظالم دشمن کی پروا نہیں کرتے اور جس دل میں اطمینان کا استقلال ہوتا ہے وہ ہر دشواری کو فتح کر لیتا ہے اور وہ فتح یہ ہے کہ یا تو وہ مقصود اس کو حاصل ہو جاتا ہے اور یا اس ناکامی سے اسکو کچھ صدمہ نہیں ہوتا اور وہ شکست کی حالت میں بھی مطمئن رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آج خدا کی یہی مرضی تھی جو میں ناکامیاب رہا مگر کل ضرور کامیاب ہوں گا۔ کیونکہ خدا میرے ساتھ ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں اور جس کے ساتھ خدا کی قوت ہو وہ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے موجودہ زمانہ اضطراب میں ہر شخص نئی طرح کا طریقہ تسکین تجویز کرتا ہے کوئی کہتا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے اجتماع سے یہ اضطراب دور ہوگا کوئی کہتا ہے ہندوستان کے اقوام کے متحد ہونے سے اس پریشانی کا سدباب ہو سکتا ہے کسی کی صلاح ہے اہل جبر وجور سے ترک تعلقات میں اس مرض کی دوا ہے کسی کی زبان پر دبے ہوئے الفاظ میں یہ بھی آتا ہے کہ مذہبی پابندی سے ان مصیبتوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے:

میں کہتا ہوں یہ سب باتیں فروعات ہیں اور ان سب میں جزوی فائدے ہیں اصلی فائدہ ذکر خدا میں ہے۔ اگر وہ صحیح طریقہ سے کیا جائے اور دل میں خدا کی معیت اور خدا کی موجودگی کا یقین ہو جائے۔

جو لوگ صرف زبان سے مذہبی پابندی کا راگ گاتے ہیں ان کو یہ بھی تو بتانا چاہیے کہ وہ پابندی کیونکر ہو دہلی کے جلسہ جمعیت علما نے فیصلہ کیا کہ داڑھیاں رکھی جائیں اور اسیر لوگوں نے عمل بھی شروع کر دیا۔ لوگ خوش ہوئے کہ مذہبی پابندی کا وقت شروع ہو گیا۔ داڑھی بیشک مسلمان ہونے کی علامت ہے مگر مسلمان ہونا نہیں ہے۔ دل کی داڑھیاں تو شیطان روز مونڈتا ہے چہرے کی داڑھیاں بڑھ گئیں تو کیا حاصل ضرورت اسکی ہے کہ دل میں خدا کی عظمت جمے اور یقین حاصل ہو کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ایک سکنڈ کو بھی ہم سے جدا نہیں ہوتا اور ہم ایک لمحہ کو بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے ہمارا ارتد و لیوشن خدا کے پاس ملنا چاہئے کوئی دنیا کی سلطنت اس قابل نہیں ہے جس کو ہم مخاطب کریں۔

میں مانتا ہوں کہ دنیا طلبی کی جس قدر مثالیں اوپر بیان کی گئیں ہیں وہ نئی نہیں ہیں۔ ہر زمانہ میں درویشوں کے پاس اکثر طالبین دنیا بھی آتے تھے اور مقاصد بھی عموماً اسی قسم کے ہوتے تھے جو آج کل ہوتے ہیں اور بزرگان دین حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص طلب خدا کے لئے نہیں آتا۔

مجکو اس کا بھی اقرار ہے کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے ذاتی حالات سے متاثر ہوا کرتا ہے اور خدا کی ضرورت اس کو اکثر ذاتی اغراض دنیا کے لئے عموماً ہوا کرتی ہے اور یہ بات بالکل ان نیچرل ہے کہ انسان خدا کو محض اسلئے یاد کرے کہ وہ خدا ہے۔ کیونکہ خدا نے ضروریات دنیا کو پیدا صرف اس لئے کیا ہے اور ان کو انسان کے ساتھ لگایا اسی واسطے ہے کہ وہ ان

کے ذریعے سے مجھ تک آئے اور اسکی حس تمیز کا امتحان ہو۔

مگر ان باتوں کے باوجود میرا کہنا یہ ہے کہ راستہ سیدھا اختیار کیا جائے یعنی ہر خدا پرست اپنی اغراض دنیا کیلئے بھی صحیح طریقہ سے خدا کو پکارے اور اپنے دل کو اس کی یاد اور اس کے یقین وجود سے مطمئن اور مستقل بنائے۔

یہ کام مشائخ کا ہے کہ وہ اپنی ڈگمگانے والی حیثیت کو شناخت کریں۔ کہ زمانہ ان کی بربادی کے درپے ہوا اور ان کی مذکورہ بدنامیاں رفتہ رفتہ ان کو بے اثر کر رہی ہیں جن سے اندیشہ ہے کہ چند روز کے بعد وہ بالکل بدنام ہو جائیں گے اور بہت کم دلوں میں ان کی وقعت باقی رہے گی اس لئے ان کو چاہئے کہ خود بھی خدا اور ذکر خدا کا راستہ سیکھیں اور اپنے پاس آنیوالے لوگوں کو بھی بتائیں کہ دنیاوی حاجات کی تکمیل کا صحیح راستہ یہ ہے کہ خدا اور ذکر خدا کو دل میں جگہ دو۔ زمانہ گذشتہ میں بھی اغراض دنیا کی طلب کا یہی حال تھا مگر مشائخ اپنی اغراض کی تکمیل کے ذریعے طالبین کو خدا کے راستہ پر لگا دیتے تھے اور یہ اندھیر نہ تھا جو آج کل ہے۔ جن مشائخ نے کہا ہے کہ ہم کو خدا کا طالب نہیں ملتا ان کا مطلب یہ ہی کہ خالص طلب خدا کے لئے بہت کم لوگ آتے ہیں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اگر ہم ان کو اغراض دنیا کے حصول کے لئے ذکر خدا تعلیم کرتے ہیں تو وہ ان کی تکمیل کے لئے کانوں پر ہاتھ دھر کر پیچھے بھاگ جاتے ہیں۔

اے لوگو! خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تم کو رزق دے گا۔ وہ تم کو اولاد دیگا وہ تمکو عزت دار بنائے گا۔ وہ تمہاری مشکلات کو حل کرے گا۔ وہ تمکو دشمنوں کے حملے سے محفوظ رکھے گا۔ وہ تمہارے ہر کام میں پوری کارسازی فرمائیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم بھی اس دنیا کے طریقوں کے موافق جائز طور پر سعی و جستجو کرو اور خدا کے دیئے ہوئے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں سے کام لو اور سعی و محنت میں

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو اور اس کی یاد و ذکر سے اپنے حواس اور قوائے ارادی کو مضبوط رکھو اگر تم ایسا کرو گے تو تم کو تسکین احساس کی قوت بھی ملے گی اور تمہاری سب مرادیں بھی پوری ہونگی ؛

تسکین احساس اطاعت سے

اب میں ذکر الٰہی کے ایک دوسرے پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو تسکین احساس کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کا نام اطاعت ہے ؛

اطاعت کو بظاہر ذکر الٰہی سے کچھ تعلق معلوم نہ ہوگا مگر حقیقت یہ ہے کہ ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں جو اذکار و اشغال آگے جا کر بیان کئے جائیں گے وہ کبھی بھی استقلال سے عمل پذیر نہیں ہو سکتے جب تک کہ ذاکر کے دل میں مرکز اطاعت قائم نہ ہو قرآن شریف میں ارشاد ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو وجاہت والے ہوں ان کی اطاعت کرو جس کا مطلب یہی ہے کہ اطاعت خدا اطاعت رسول پر منحصر ہے اور اطاعت رسول اطاعت اولوالامر پر انحصار رکھتی ہے ؛ (اولوالامر سے مراد اولیاء اللہ ہیں) حسن نظامی

عدم اطاعت سے اضطراب ۔ آج کل دنیا میں اطاعت ہی کے انکار نے اضطراب عام پیدا کر دیا ہے ہر ملک اور ہر قوم سے اطاعت کا مادہ سلب ہو رہا ہے بیٹا باپ کی اطاعت سے نکلنا چاہتا ہے ۔ بیوی شوہر کی اطاعت سے بیزار نظر آتی ہے ۔ شاگرد استاد کی اطاعت کو احمق پن تصور کرتے ہیں نوکر آقا کی اطاعت سے نکلنا چاہتے ہیں اور رعایا بادشاہوں کی اطاعت سے نکل جانے کو آزادی سمجھتی ہے ۔

آزادی بہت اچھی چیز ہے۔ بلکہ دنیا میں کوئی نعمت آزادی سے بڑھ کر نہیں ہے مگر جس آزادی کی ہوا آجکل چل رہی ہے وہ درحقیقت آزادی نہیں ہے بلکہ نفس اور خواہشات ذاتی کی ناجائز غلامی ہے۔

بے اطاعتی کا یہ وبال یورپ سے یہاں آیا ہے خصوصاً ہندوستان میں تو انگریزوں کی قوم اس کو لائی ہے پہلے ہم لوگ ماں باپ کی اطاعت بہت بجا کرتے تھے اور استاد کو تو باپ اور پیر کی برابر سمجھا جاتا تھا عورتیں اپنے خاوند کو مجازی خدا تصور کرتی تھیں۔ انگریزوں نے اسکول جاری کئے اور ان کے ایسے قواعد بنائے جس سے استاد کی حرمت بالکل مٹ گئی اور شاگردوں نے استاد کو اپنا نوکر اور غلام سمجھنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکے پہلے تو استاد سے گستاخ ہوئے پھر ماں باپ کی اطاعت کو انھوں نے اسی تعلیم کے طفیل خیرباد کہا اس کے بعد پیر اور دیگر بزرگوں کی اطاعت ان کے دلوں سے نکل گئی

یورپ نے یہ سمجھا ہوگا کہ ہمنے یہ طریقہ جاری کر کے ہندوستان کی قدیمی اور خراب تہذیب کو برباد کر دیا اور اس کی جگہ ہماری تہذیب لوگوں کے خیالات میں سرایت کر گئی۔ لیکن اس کا نتیجہ وہی نکلا جو دوسروں کے واسطے کنواں کھودنے والے کو ملا تھا۔ کہ وہ خود اس میں گر پڑا تھا۔ یعنی ہندوستانی لڑکے ایسے بے اطاعت ہوئے کہ اپنے حاکم کی اطاعت کو بھی خیرباد کہدیا۔ اور آج کل بے اطاعتی نے جو کچھ خرابیاں ڈال رکھی ہیں وہ کسی کی نظر سے مخفی نہیں ہیں کہ ہر شخص اطاعت سے آزاد ہونے کے لئے مضطرب نظر آتا ہے؛

دنیا کے ہر ملک میں یہی حال پیش آ رہا ہے۔ یہ جو جگہ جگہ ہڑتالیں ہو رہی ہیں نوکروں کی بے اطاعتی ہے اور عورتیں اپنے شوہروں پر طلاق کے مقدمات دائر کر رہی ہیں یہ بھی بے اطاعتی کا برا نمونہ ہے۔ رعایا حکومتوں کے خلاف سرکشی کر رہی ہے اس میں بھی اسی بے اطاعتی کا دخل ہے؛

پس اس اضطراب عام سے اگر کسی کو تسکین مطلوب ہے تو فوراً ایک جائز مرکزِ اطاعت اختیار کر لینا چاہیے اور قرآن کے حکم کے بموجب خدا اور رسولؐ اور روحانیت والوں کی اطاعت کا مرکز تو بہت جلد تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

میرا خیال ہے کہ جو لوگ اصلی تصوف پر حقیقی معنوں پر عمل کرتے ہیں وہی سچے معنوں میں روح والے ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت حکم خدا کے بموجب ہر مسلمان پر واجب ہے خصوصاً جو مسلمان کسی شیخ کے مرید ہیں ان کو تو لازمی طور سے اپنے پیر کی اطاعت درجہ کمال پر کرنی ضروری ہے تاکہ وہ پیر کی اطاعت کے ذریعہ سے رسولؐ کی اطاعت کا حق ادا کر سکیں اور رسولؐ کی اطاعت ان کو اطاعت خدا کے مرکز تک پہنچا دے۔ کیونکہ پیر خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرانے کو عہد اور بیعت لیا کرتا ہے۔ اگر اسکی اطاعت پوری طرح سے کی جائے گی تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا حق بھی ادا ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں خدا اور رسولؐ اور اولوالامر کی اطاعت کو ایک ہی سلسلہ میں درجہ وار بیان کیا گیا ہے۔

میں نے اس مضمون کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ ذکر الٰہی سے تسکین احساس حاصل ہوتی ہے اور اب میں کہتا ہوں کہ ذکر الٰہی مکمل طریقہ سے عمل میں نہیں آ سکتا جب تک کہ پیر کی اطاعت کامل طور پر مریدوں میں رائج نہ ہو۔ اگر اطاعت کا مرکز مریدوں میں قائم ہو جائے تو ان کے تمام اضطرابات ذہنی دور ہو جائیں گے اور ان میں تسکین تامہ پیدا ہو جائے گی۔

پیروں ہی پر منحصر نہیں ہے جو شخص کسی ہادی اور رہنما کی اطاعت کرے گا وہ ضرور تسکین احساس کی نعمت حاصل کرے گا۔

میں اس شبہہ کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اطاعت کی اس نعمت میں

سیاسی اطاعت میرے پیش نظر نہیں ہے اور سیاسی بے اطاعتی کا ذکر محض تمثیل کے طور پر کیا گیا ہے:۔

تلقین درویشی میں ضرورت تبدیلی!

ذکر الٰہی کے طریقوں کا بیان کرنے سے پہلے میں حضرات مشائخ ہندوستان سے ایک ضروری عرضداشت کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے خیال میں یہ زمانہ ایسا آیا ہے جس میں درویشی کی تلقین کا طریقہ **فروعات** میں **قدرے** بدلدینا ضروری معلوم ہوتا ہے:۔

ایک زمانہ تھا کہ میں نے صوفیوں کی انجمن حلقہ نظام المشائخ کے نام سے قائم کی تھی اور میں مشائخ کو سیاسی طریقہ کے ایک ضابطہ اور شیرازہ میں منضبط ہونا ضروری سمجھتا تھا مگر دس سال کے تجربہ نے میرا یہ خیال بدل دیا اور مجھکو معلوم ہوگیا کہ جو انجمنیں اُس ملک میں قائم ہوتی ہیں یہ انگریزوں کی غلط تقلید ہے یعنی یہ انجمنیں انگریزوں کی تقلید اچھی باتوں میں تو نہیں کرسکتیں اور برائیاں اختیار کرلیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کچھ اخلاقی نتیجہ بھی نہیں نکلتا اس واسطے اب میں اس کے تو سراسر خلاف ہوں کہ صوفی اپنی کوئی انجمن بنائیں اور ریزولیشن پاس کیا کریں کیونکہ ان کا یہ کام ہرگز نہیں ہے نہ ان کو انجمن کے ذریعہ کسی مرکز کے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے مرکز پہلے ہی سے بنے ہوئے ہیں اور ہر سلسلہ خانوادہ ان کا مرکزی دارالاجتماع ہے:۔

البتہ یہ ضرورت ہر اعتبار سے قابل توجہ ہے کہ مشائخ اپنی تلقین کے طرز عمل کو ذرا آج کل کے مواقف بنائیں مگر صرف فروعات میں یعنی اصول کو اسی حال قدیم پر رکھنا چاہئے۔

میں مشائخ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی حالت ایک طبیب اور ایک بادشاہ کی سی ہے۔ پس جس طرح طبیب ہر موسم اور ہر مزاج کے حسب حال علاج کا طریقہ بدلتا رہتا ہے یا جس طرح بادشاہ حالات کے بموجب نئے نئے قوانین تیار کرتا ہے اور پرانے قوانین منسوخ کر دیتا ہے اسی طرح مشائخ کو بھی کرنا چاہیے جو روحانی طبیب ہیں اور مذہبی حاکم ہیں:

وہ تبدیلی کس قسم کی ہو: میری دانست میں ترکِ دنیا کی تلقین سب سے زیادہ غور طلب ہے۔ مشائخ نے ترکِ تعلقات دنیا پر جس قدر زور دیا تھا وہ کوئی خانہ ساز حکم نہ تھا۔ بلکہ قرآن شریف اور احادیث کے متواتر احکام کی بموجب یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا اور اس پر زیادہ تاکید اس زمانہ میں شروع ہوئی تھی جبکہ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ زوروں پر تھا اور دولت و دنیا ایک سیلاب کی طرح ان کے قبضہ میں آرہی تھی۔ اس وقت مشائخ نے ضروری سمجھا کہ ترکِ تعلقات دنیا کی ہدایات شد و مد سے کریں تاکہ مسلمان دولت کی مصروفیت میں خدا کو بھول نہ جائیں:

مگر اس وقت بھی ان کی نصیحت یہی ہوتی تھی کہ دولت سے محبت نہ بڑھاؤ اور محض اسی کے غلام نہ بنجاؤ اور کوئی بزرگ یہ نہ فرماتا تھا کہ دولت کا حاصل کرنا حرام و ناجائز ہے اگر ایسا حکم دیا جاتا تو حصول دولت کا یہ میلان عام ہرگز ترقی نہ کرتا:

آج کل ہم بحیثیت قوم کے مفلس و نادار ہو گئے ہیں اور رزق کی تنگی نے ہم سب کو پراگندہ خاطر کر دیا ہے اور عبادت ریاضت میں ذوق کی کمی بھی اسی افلاس عام کے سبب بڑھ گئی ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ مشائخ بجائے ترکِ دنیا کے ہر مرید کو نصیحت کریں۔

کہ جائز روزی اپنی محنت سے کماؤ اور کوئی شخص نکما نہ رہے کیونکہ وقت ایسا آنے والا ہے کہ ہر شخص قانوناً مجبور کیا جائے گا کہ اپنی روزی خود کما کر کھائے آنے والا زمانہ کسی شخص کو تارک دنیا اور بیکار نہ رہنے دیگا۔ لہذا عقلمندی یہ ہے کہ ہم لوگ پہلے سے تیار ہو جائیں اور قانون کے جبر کا شکار نہ بنیں جس سے ہم کو طرح طرح کی ذلتیں برداشت کرنے کا اندیشہ ہے۔

خود مشائخ بھی محنت سے روزی کمائیں:۔ میں شاید ایک بڑی گستاخی کروں گا اگر حضرات مشائخ سے یہ عرض کروں کہ خود ان کو بھی محنت و مشقت سے اپنی روزی حاصل کرنی چاہیے۔ مگر یہ گستاخی نہیں ہے بلکہ آنے والے خطرہ کی اطلاع ہے کیونکہ اگرچہ میں اس کا خوف تو نہیں کرتا کہ بولشویک حکومت یہاں ہو جائے گی۔ لیکن یہ اندیشہ یقینی ہے کہ ہندوستان میں بولشویک خیالات ضرور پھیل جائیں گے اور یہاں آئندہ زمانہ میں حکومت کا طریقہ انہیں اصول پر قائم ہوگا اور بولشویک اصول میں یہ بات داخل ہے کہ کوئی شخص نکما نہ رہے وہ پادری جو نکمے بھی نکما نہیں رہنے دیتے اور ان کو بھی روزی کمانے کیلئے جبراً محنت لیتے ہیں تو کیا مشائخ ہند اسی طرح بیٹھے رہ سکیں گے اور ان کو یہ نہ کہا جائیگا کہ وہ بھی کوئی کام کریں اور اپنی روزی محنت و مشقت سے کمائیں۔

اس سیاسی اندیشہ کے علاوہ مذہباً اور طریقتاً بھی مشائخ کو اپنی روزی خود کمانی چاہیے۔ مسلمانوں کے ابتدائی زمانہ میں ہر صوفی بزرگ کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے۔ چنانچہ لوہار۔ بڑھئی۔ رسی بٹنے والے۔ بزاز۔ قصاب وغیرہ پیشوں کے صدہا اولیا اللہ گزر چکے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں یہ پیشہ وری اس واسطے باقی نہیں رہی کہ دولت کی کثرت اور فتنوں کے ہجوم نے مشائخ کے فرائض ہدایت کو اس قدر بڑھا دیا تھا کہ وہ خود محنت کر کے روزی کمانے کا وقت نہ بچا سکتے تھے اس کے علاوہ خلقت کی طرف سے ان کی خدمت اور امداد اس

کثرت سے ہوتی تھی کہ ہر درویش معاش کی طرف سے مطمئن رہتا تھا اور اس کو آج کل کی طرح مریدوں سے روپیہ وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے ناجائز حیلے نہ کرنے پڑتے تھے۔

اگر مشائخ کسب معاش کے لیے تجارت یا صنعت و حرفت کے کام شروع کردیں گے تو خدا کے سامنے بھی ان کی عزت ہوگی اور مریدوں میں بھی ان کی وقعت بڑھے گی۔ اور یہ کمزوری بھی دور ہوجائے گی جو آج کل ان میں کسب زر کی وجہ سے پائی جاتی ہے کہ وہ مریدوں سے روپیہ لینے کے لیے ناروا کام کرتے ہیں اور اس سے ان کے ضمیر و احساس کو تکلیف رہتی ہے۔ اگر انھوں نے میرے لکھنے پر توجہ فرمائی تو چند روز میں ان کو تسکین احساس کی نعمت حاصل ہوجائے گی اور ان کے مرید بھی ان کی تقلید کرکے اس نعمت سے مالامال ہوجائیں۔

ریاضات و مجاہدات میں تبدیلی: - دوسری بات میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ عہد قدیم میں جو طریقے ریاضتوں اور مجاہدوں کے رائج تھے ان میں بھی قدرے تبدیلی ہونی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ زیادہ روزے نہ رکھوائے جائیں اور ترک حیوانات پر زیادہ اصرار نہ کیا جائے کیونکہ لوگوں کی جسمانی حالت بہت کمزور ہوگئی ہے اور افلاس عام نے ان کو از حد ناتوان کردیا ہے روزے اور ترک حیوانات کا مجاہدہ ان کو فائدہ کی جگہ نقصان پہنچائے گا کیونکہ ان مجاہدات کی ضرورت اس واسطے پڑتی تھی کہ لوگوں کے بدن میں خون کثرت سے ہوتا تھا اور وہ عمدہ عمدہ غذائیں کھاتے تھے اب نہ بدن میں خون رہا ہے نہ اچھی غذا میسر آتی ہے۔ اچھی کیا بری غذا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ اور قدرتاً ہر شخص مجاہدات اور ریاضات میں مبتلا ہے آجکل تو یہ طریقہ مناسب ہے کہ

ذکر الٰہی کرنے والوں کو پوری مگر سادہ اور زود ہضم غذا ملے تاکہ وہ ذکر الٰہی اطمینان و سلامتی حواس سے کرسکیں:۔

وحدت وجود کے قال میں تبدیلی:۔ تیسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ وحدت وجود کے قال کو ذرا محدود کیا جائے۔ کیونکہ یہ بے علمی کا دور ہے اور عوام اس کے فہم سے قاصر ہیں اور بناوٹی درویش اسی قال کے پردے میں صدہا قسم کی آوارگیاں کرکے درویشی کو بدنام کرتے ہیں:۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ آج کل میرے مضامین میں بھی وحدت وجود کا قال زیادہ ہوتا ہے مگر یہ صرف اشارے اور کنائے کرتا ہوں کیونکہ اسکو علم ادب میں جذب کرنا اور نئی روشنی کے دماغوں کو اس سے آشنا رکھنا بہت ضروری اور مفید ہے میں نے ایسی تحریروں کو ایسے قال سے بچانے کی ہمیشہ کوشش کی ہے جو دائرہ انشا پردازی سے آگے بڑھ کر ذہنوں اور دماغوں کو خدا بننے یا ہر چیز کو خدا کہنے کے الجھاؤ میں ڈال دے اور آئندہ بھی جب تک زندگی ہے میں اس سے بھی زیادہ احتیاط کو پیش نظر رکھنا چاہتا ہوں مجھ سے اکثر کہا جاتا ہے کہ وحدت وجود کے مسئلہ کو عام فہم طریقہ سے علمی طور پر لکھا جائے اور میں اسکی ضرورت بھی محسوس کرتا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ جب تک عربی علوم کا عام رواج نہ ہو اور لوگ مذہبی تعلیم سے زیادہ واقف کار نہ ہوں اس قسم کے مضامین خلقت کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے تاہم میں نے عام فہم مثالوں کے ذریعہ سے تھوڑا سا ذکر وحدت وجود کا بیان کیا ہے تاکہ عقائد کی بنیاد درست ہو جائے:۔

جس نے ہمہ اوست کو سمجھ کو مان لیا
اسکے حواس کبھی مضطرب نہ ہونگے

قرآن شریف کا وعدہ سچا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے اور اللہ

کے ذکر کی بہت سی صورتیں ہیں - ایک تو یہ ہے کہ اس کے اسمائے ذات وصفات کو زبان سے پڑھا جاوے اور دل میں اور تمام رگوں اور پٹھوں میں اسکی یاد کی کیفیت جذب کی جائے اور دوسری یہ ہے کہ بطور فلسفہ کے اللہ کی ذات وصفات کو سمجھا جائے خصوصاً اپنے وجود اور خدا کے وجود کے تعلق باہمی کو معلوم کیا جائے -

میری دانست میں یہ آخر کار ذکر یعنی خدا کو بطریق فلسفہ و تصوف کے سمجھنا بنیادی چیز ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آجائے تو زبانی ذکر الہٰی سے بھی زیادہ موثر ہے اس واسطے میں اسکو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں -

ذات :- ایک ہستی مطلق ہے جس کو واجب الوجود کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ بغیر اجزاء کے کل ہے - وہ سب کو محیط ہے لیکن خود احاطہ سے باہر ہے وہ کسی علم میں نہیں سما سکتی - وہ کسی قید میں نہیں آسکتی اس میں زوال و تغیر نہیں ہے ؛

سب چیزیں اسی سے موجود ہیں - مگر وہ کسی سے موجود نہیں ہے اور زمین و آسمان میں اس کے سوا اور کچھ بھی اس کے غیر نہیں پایا جاتا - اس واسطے بس وہ ایک ہی ہے اور کوئی اسکا شریک نہیں نہ وہ کسی سے پیدا ہوئی نہ کوئی اس سے پیدا ہوا ؛

مگر اس کی شناخت بغیر ناموں اور صفتوں اور ان کے مظاہر کے محال ہے اس واسطے صفات و اسمائے کا عرفان مقدم ہے ؛

صفات :- جب وہ ہستی مطلق مرتبۂ ظہور میں کسی خاص تجلّی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے تو اسی نشان ظہور کو صفت کہتے ہیں - مثلاً جب مخلوق ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ ذات کی صفت خالقی نے تجلّی کا جلوہ دکھایا ؛

ذات کی بے شمار صفات ہیں مگر وہ سب ذات سے جدا اور غیر نہیں ہیں - گو ہر صفت دوسری صفت سے اور ذات تمام صفات سے جدا اور علیحدہ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں سب ایک ہی ہیں - جدائی بالکل نہیں - مثلاً پھول کی خوشبو

اس کی صفت ہے جو چمن کی ہوا کو معطر کر رہی ہے مگر وہ پھول کی ذات سے جدا نہیں کہی جا سکتی ؎

او در من و من در وے چوں بُو بگلاب اندر!

جس طرح ذات قدیم و لازوال ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم و ازلی و بے زوال ہیں۔ نہ ذات کا ادراک حقیقی ممکن نہ صفات کا۔

ذات میں وحدت ہے اور صفات میں گوناگوں کثرت۔ مگر چونکہ صفات ذات سے جدا نہیں ہیں اس لئے ان کی کثرت بھی صرف دید و شنید کی ہے۔ ورنہ وحدت ہی وحدت ہے۔

ہمہ اوست:۔ اسی کو کہتے ہیں کہ سب کچھ وہی ایک ذات ہے اسکے سوا اور غیر کچھ بھی نہیں ہے اور یہ جو کچھ نظر آتا ہے ذات یکتا کے غیر نہیں ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ اور وہ اللہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور دوسری آیت میں ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ اور وہ اللہ تمہارے ساتھ ہی (تم کہیں بھی ہو) اور تیسری آیت میں ہے اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (تم جس طرف بھی دیکھو اللہ کی ذات ادھر ہی موجود ہے)

تعینات و تنزلات:۔ صوفیوں کی اصطلاح میں الفاظ تعینات تنزلات اکثر بولے جاتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ موجودات کی یہ جس قدر شکلیں اور صورتیں نظر آتی ہیں۔ یہ ذات کی صفات اور ان کی تجلیات کے جلوے ہیں۔ مگر ان کی اصلیت بغیر ذات و صفات کے پرتوہ کے کچھ بھی نہیں ہے۔

مثلاً ایک ڈورے میں چند گرہیں لگی ہوئی ہیں ان گرہوں کو ڈورا نہیں کہتے ہیں بلکہ ان کی شکل و صورت کے سبب گرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں حالانکہ گرہ کے اندر سوائے ڈورے کے اور کچھ بھی موجود نہیں ہے۔

پس اس گرہ کو تعین کہیں گے - جب گرہ لگ گئی تو گرہ ہے اور کھل گئی تو ڈورا ہے - گرہ کو ڈورا نہیں کہتے اور صرف ڈورہ کو گرہ نہیں کہہ سکتے ؛

یا مثلاً لوہے کو پگھلا کر ایک قلم بنائی اور دوسری تلوار بنائی اب قلم و تلوار جن صورتوں کا نام ہے ان کے اندر سوائے لوہے کے اور کوئی چیز موجود نہیں اور یہ ان کی شکل تعین ہے مگر انکو لوہا نہیں کہتے اور جبتک شکلیں قائم ہیں قلم اور تلوار ہی کہتے ہیں یا مثلاً برف کی صورت ہے کہ اسکی حقیقت میں سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے مگر جبتک برف کی شکل قائم ہے پانی اسکو نہیں کہتے -

اسی طرح تمام موجودات کی شکلوں اور صورتوں کو تعینات کی نظر سے دیکھنا چاہئے کہ اگرچہ وہ ذات الہی سے جدا اور غیر نہیں ہیں مگر جبتک انکی صورتیں قائم ہیں اور تعینات کی قید میں ہیں ان کو ذات الہی نہیں کہہ سکتے اور یہ کہنا سمجھنا شرک ہے -

کتاب میں جو حروف سیاہی سے لکھے جاتے ہیں ان میں سیاہی ذات ہے اور حروف کی شکلیں صفات ہیں کہ صفات ذات سے جدا نہیں یعنی کوئی حرف سیاہی کے سوا اپنی غیر حقیقت کچھ نہیں رکھتا - مگر شکل تعین کے سبب حرف ہی پڑھنے میں آتے ہیں پس جب ایک اصلیت و حقیقت سے مختلف قسم کی صورتیں نمودار ہوتی ہیں تو ان شکلوں کو تعینات کہتے ہیں اور جب کسی اعلی حقیقت کی شکلیں ادنی درجوں میں تقسیم ہونے لگتی ہیں تو ان کو تنزلات کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی اس حقیقت کا ظہور اشکال تنزل میں ہو رہا ہے -

مثلاً ہوا ایک اعلی حقیقت ہے حرارت آفتاب زمین کی رطوبت کو ہوائی بخار کی شکل میں زمین سے فضائے آسمانی میں لیجاتی ہے اور پھر پانی بناکر زمین پر برساتی ہے اور وہ پانی کھیتوں میں بھی جاتا ہے اور گندی موریوں اور نالیوں میں بھی جاتا ہے پس ہوا کی حقیقت اعلی نے جب شکل تعین یعنی ابخرے کی صورت اختیار کی تو پانی بننا اسکا

تنزل ہے اور پھر برسنا اور زمین پر رواں دواں پھرنا دوسرے تنزلات ہیں۔
یہ سب مجازی مثالیں ہیں اس ذات حقیقی کی کہ وہ بھی تعینات و تنزلات ہیں اسی طرح اپنی صفات کی تجلیات دکھایا کرتی ہے اور انہی تعینات و تنزلات کے اس کائنات کا یہ تمام کارخانہ گھما گھمی سے چلتا نظر آتا ہے۔

فہم ہمہ اوست میں تسکین احساس:- حاصل مقصد یہ ہے کہ جب انسان ذات الٰہی کی وحدت تامہ کا یقین کر لیتا ہے اور اس کو اپنے وجود کی حقیقت اور تمام کائنات اور اسکی خوشیوں اور تکلیفوں کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ کسی دنیاوی صدمہ سے بھی پریشان نہیں ہوتا اور اسکو کوئی آفت بھی پراگندہ خاطر اور مضطرب الحواس نہیں کر سکتی اور وہ اپنے وجود کو ان فانی اور بے اصل خوشیوں اور تکلیفوں سے بالا یک اعلیٰ و برتر و بے نیاز چیز تصور کر کے ہر وقت لذت تسکین و سرور سے شاد کام رہتا ہے۔

فہم ہمہ اوست افضل الذکر ہے:- کیونکہ افضل الذکر کلمہ لا الٰہ الا اللہ فرمایا گیا ہے اور بغیر عقیدہ ہمہ اوست کے اس کلمہ کے ذکر کی اصلیت ذہن پر طاری نہیں ہوتی۔

جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ اس موجودات و محسوسات کے عالم میں ذات واحد کے سوا اور کچھ بھی موجود نہیں ہے اور موجودات کی یہ سب صورتیں اسی ایک ذات کی صفات کے جلوے ہیں تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی اسکی سمجھ میں آجاتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ یعنی ایک اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔

زبان سے لفظوں کا پڑھ لینا اور گن گن کر اللہ کا ذکر کرنا بغیر اس فہمید کے اور یقین کے سراسر بیکار ہے۔

گفتن و فہمیدن:- مگر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ وحدت وجود فہمید یعنی سمجھنے اور اپنے حس یقین پر طاری کرنے کی چیز ہے۔ کہنے اور بے سمجھے کہتے پھرنے کی چیز نہیں ہے جیسا کہ آجکل بعض جاہل درویش نما لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بھی خدا وہ بھی خدا

تم بھی خدا۔ ہم بھی خدا کہ جو پہچان جاتا ہے اسکی زبان بند ہو جاتی ہے اور اس کو حس حیرت اور ذوق مشاہدہ مزید میں زبان سے کچھ کہنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

ناسوت :- اسی سلسلہ میں ضرورت ہے کہ لاہوت و جبروت و ملکوت و ناسوت کی حقیقت بھی تھوڑی سی بیان کر دیجائے کیونکہ یہ الفاظ اکثر صوفیوں کی بول چال اور ان کی کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں اور ذکر الہٰی سے پہلے انکا سمجھنا ضروری ہوتا ہے

پہلے **ناسوت** ہے جو ہمارے اس موجود محسوس نظر آنیوالے عالم کا نام ہے اور اس عالم ظاہر کی زبان و اصطلاح میں جو کچھ کہا جائے اسکو ناسوت کی زبان کہنا چاہیے

ملکوت :- ناسوت کا باطن ملکوت ہے یعنی عالم ظاہر کے بطون کو ملکوت کہتے ہیں۔ جو عالم ناسوت کے قریب و متصل ہے۔ ناسوت کے عالم سے جب عروج ہوتا ہے تو پہلے ملکوت کا منظر سامنے آتا ہے۔ ذکر و فکر کے ذرائع جو ناسوت میں استعمال کیے جائیں پہلے ملکوت میں پہنچاتے ہیں اور انسان اپنی حمد و ذکر کا بطون مشاہدہ کرتا ہے

جبروت :- اسکے بعد ملکوت کے بطون کا ظہور ہوتا ہے اور اسکو جبروت کہتے ہیں گویا یہ ناسوت کا تیسرا درجہ اور ملکوت کا باطن ہے یہاں اپنے وجود کی پوری اور خود بخود شناسائی ہوتی ہے اور ناسوت و ملکوت کے درجے اس عرفان کے ماتحت دکھائی دینے لگتے ہیں۔

لاہوت :- پھر جبروت کا باطن نمودار ہوتا ہے جس کا نام لاہوت ہے یہاں اپنی حقیقت تعین کا صرف حس باقی رہتا ہے ورنہ ذات الوہیت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا

ہاہوت :- لاہوت کا بطون ہاہوت ہے یہ وہ درجہ ہے جہاں نہ اپنی خبر رہتی نہ خبر کا حس رہتا ہے۔ نہ ہمہ کا نشان نظر آتا ہے نہ اوست کی ضرورت باقی رہتی ہے اس کی حقیقت جاننے کو نہ لفظ کام دیتا ہے نہ کوئی فہم بس یہی کہدینا کافی ہے کہ وہ مقام ہو ہے

مثالیں ۔ مثلاً تمنے ایک خط لکھنے کا ارادہ کیا پھر کاغذ و قلم و دوات لیکر بیٹھے دماغ میں اسکو لکھدیا

پس وہ لکھا ہوا خط ناسوت ہے اور لکھنا ملکوت ہے اور لکھنے کی قوت کا خود بخود دماغ سے ہاتھوں میں اترنا چلا آنا جبروت ہے اور خط لکھنے کا ارادہ جس نے بعد کی یہ سب جانیں اور صورتیں نمودار کرائیں مگر خود مخفی رہا لاہوت ہے اور اس ارادہ کی شرح میں جو وقت ہے آزادگی اور خط لکھنے سے بیخبری

یا مثلاً جو وقت گذر گیا وہ ناسوت ہے اور جو ابھی گذر رہا ہے وہ ملکوت ہے اور جو آنیوالا ہے وہ جبروت ہے اور ماضی و حال و استقبال کا علم لاہوت ہے اور ماضی و حال و استقبال کے وسط میں جو ایک نامعلوم وقت ہے وہ ہاہوت ہے کیونکہ زمانہ حال جسکو کہتے ہیں وہ ماضی و مستقبل سے لپٹا ہوا ہے کہ ایک سکنڈ کے کرور حصہ کرکے دیکھو تب بھی ماضی و مستقبل کے وسط میں حال کا زمانہ ہاتھ نہیں آیگا کہ جو گذر رہا ہے وہ ماضی ہو جاتا ہے اور جو اسکے بعد پہنچتا ہے وہ مستقبل کہلاتا ہے۔ حال جس کا نام ہے وہ تو ادھر دکھائی دیتا ہے نہ اُدھر۔

اس بیخبری و بے احساسی کو ہاہوت کہتے ہیں کہ ہے مگر نہیں ہے اور اس نہیں کی بھی کسی کو خبر نہیں ہے:

یا مثلاً انسان کا جسم ظاہر ناسوت ہے اور اسکے حواس باطن ملکوت ہیں اور ان حواس کا جسمانی قوائے ادراک سے معلوم کرنا جبروت ہے اور خود ادراک و علم کی ذات جبکہ اس کا تعلق کسی محسوس سے نہ رہے اور صرف شان ادراک و علم ہی باقی ہو تو وہ لاہوت ہے اور جب ادراک و احساس اپنی ہستی سے بھی بے خبر ہو جائیں اور اس بے خبری کا احساس بھی ان میں باقی نہ رہے تو وہ ہاہوت ہے:

روح:۔ قرآن شریف کی زبان میں روح امر رب ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا حالانکہ خدا کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت روح سے مراد ہے کہ ذات الہی جان ہے اور روح اسکی صورت ہے۔ پس نہ ذات کی کوئی شکل ہے اور نہ اسکے امر روح کی کوئی صورت ہے

جس طرح ذات مخفی ہے روح بھی پوشیدہ ہے اور جس طرح ذات کی دید و فہمید خاکی بشری صورت سے ممکن نہیں اسی طرح اس کے امر روح کی دید و فہمید بھی ناممکن ہے روح ایک ہی چیز ہے۔ اس کی تقسیم محال ہے مختلف اجسام میں جو ارواح ہوتی ہیں یہ سب اسی روح اعظم کا پرتو ہیں۔ جس طرح سورج ایک ہے اور اسکی شعاعیں بیشمار ہیں کہ صاف مقام پر آتی ہیں۔ تو تمام آفتاب کی شکل ان کے اندر نظر آجاتی ہے۔ حالانکہ سورج خود وہاں نہیں ہوتا اور میلی کثیف چیزوں پر آفتاب کی شعاعوں کی جھلک پڑتی ہے تو وہ اپنی جسمانی کثافت سے نور قبول نہیں کرسکتیں مگر حیات نشو و نما کی قوت ان میں بھی ان ہی شعاعوں سے پیدا ہوتی ہے:

پس روح ذات کا ایک آئینہ ہے جسمیں اسکے حسن و جمال کی شکل نظر آتی ہے۔

قلب:۔ جس طرح روح ذات کا آئینہ ہے قلب اسما و صفات کا آئینہ ہے جو تجلی ذات کی روح میں مجمل ہے وہ قلب میں درخشاں ہوکر مفصل ہو جاتی ہے:

نفس:۔ روح و قلب عالم امر سے ہیں مگر نفس عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ ذات صفات اور اسماء کی تجلیاں روح و قلب کے واسطہ سے نفس تک آتی ہیں مگر چونکہ عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے اس واسطے اس میں وہ لطافت نہیں ہے جو روح و قلب میں ہے۔ اس واسطے اس میں بغیر تربیت ماسوتی کے ان تجلیات کی قبولیت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ نفس اپنی فطرت کے تقاضہ سے ان تجلیوں سے گریز کرنا چاہتا ہے اور حواس جسمانی کو ایسے احکام دیتا ہے جن سے کثافت میں ترقی ہو اور قلب و روح کے آئینوں میں تجلیاں نہ چمک سکیں۔ انسان مجاہدات و عبادات کے ذریعہ سے نفس کو تربیت دیتا ہے تو پہلے اس میں ایک کیفیت ملامت کی پیدا ہوتی ہے یعنی وہ خود اپنے آپ کو تجلیات کی عدم قبولیت پر نفرین کرتا ہے مگر اپنے جذبات کی مغلوبیت کے سبب اصلاح نہیں کرسکتا اسکو نفس لوامہ کہتے ہیں اور

جب مجاہدات کی قوت نفس کو شفاف کر دیتی ہے تو وہ ترقی کر کے بالکل آئینہ بن جاتا ہے اور اس میں روح وقلب کی تجلیاں مکمل طور سے چمکنے لگتی ہیں اور کوئی حجاب کثافت کا نفس میں باقی نہیں رہتا اس وقت اس کا نام نفس مطمئنّہ ہو جاتا ہے اور اسی کو نفس کا مرنا۔ نفس کا قابو میں کر لینا کہتے ہیں اور اس کا مطمئنہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس کا پورا تصفیہ اور کمال یہ ہے کہ اس میں تسکین و اطمینان پیدا ہو جائے

قرآن شریف نے بھی نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور مطمئنہ کا لفظ جہاں آیا ہے عینہ یہ ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ اے نفس مطمئنہ آ جا اپنے رب کی طرف رضامندی اور پوری رضامندی کی شان سے اس معلوم ہوتا ہے کہ جب نفس مطمئن ہو جاتا ہے تو اس میں رضائے کامل کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی رضائے کامل تسکین احساس ہے۔

اشغال و اذکار

عقائد کے ذکر الٰہی کے بعد اب دوسرے درجے کے ذکر الٰہی کا بیان کیا جاتا ہے اور صوفیوں کے ان طریقوں کا مجمل حال لکھا جاتا ہے جو ان کے جہاں اصلاح نفس کے لیے مروج ہیں ؂

اذکار و اشغال کے بشمار طریقے ہیں ان سبکو لکھوں تو ایک بڑی ضخیم کتاب ہو جائیگی اسواسطے صرف چند ضروری اور اہم اشغال و اذکار اور مراقبے وغیرہ بیان بیان کیے جائیں گے۔ اور یہ وہ ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے انسان بہت جلد نفس پر قابو پا لیتا آ جاتا ہے اور اس میں خودشناسی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور عبادت الٰہی میں بھی ذوق ولذت ملنے لگتی ہے اور امور دنیا میں بھی اچھا کے خواص سے مطمئن رہتے ہیں اور یہ اطمینان حواس ہی ہر مشکل کی کنجی اور ہر تکلیف کی دوا ہے ؂

سلسلوں کا اختلاف کیوں ہے؟

صوفیوں کے بے شمار سلسلے اور خانوادے ہیں اور ہر ایک سلسلہ کا طریقہ ذکر و شغل جداگانہ ہے یہ دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب تصوف کا راستہ اور اصول ایک ہی تو پھر اس کے مقلدین میں یہ اختلاف کیوں ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ اختلاف صرف دیکھنے کا ہے حقیقت میں کچھ بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ سلسلوں کے ناموں کی تفریق محض اُن کے بانیوں کی نام کی وجہ سے ہے ورنہ اصول تعلیم سب کا تقریبًا یکساں ہے اور اشکال و اشغال میں تو بہت ہی تھوڑا تفاوت آپس میں پایا جاتا ہے۔

صوفیوں کے صرف دو مسئلوں میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے ایک تو مسئلہ وحدت وجود ہے اور دوسرا مسئلہ سماع ہے کہ اس میں بعض سلسلے وحدت وجود کے بدلے وحدت شہود کو مانتے ہیں یعنی ہمہ اوست کے بدلے ہمہ از وست کے قائل ہیں اور اکثر سلسلے ہمہ اوست کو تسلیم کرتے ہیں اور سماع یعنی گانا سننے کو چشتیہ سلسلہ تو بہت ضروری اور لازمی چیز سمجھتا ہے مگر بعض سلسلوں کو اس مسئلہ میں سکوت و تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ سماع اہل کے لیے حلال ہے اور غیر اہل کے لیے حرام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہ انکار کنیم نہ ایں کار کنیم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تصوف کا اختلاف بھی نہایت مہذب اور با ادب ہوتا ہے۔ درویشوں کی تعلیم میں جو کچھ فرق و اختلاف ہے وہ ایک طبیب کی تجاویز کے مثل سمجھنا چاہیے کہ وہ مریض کی حالت کے موافق طریق علاج بدلتا رہتا ہے اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق (خدا کی طرف جانے کے طریقے مخلوق کے سانسوں کی طرح کثیر ہیں)۔

چشتی خاندان کے اذکار و اشغال

گو چشتیہ اگرچہ نقشبندیہ سے زیادہ تر نقشبندیہ سلسلہ میں مروج ہیں لیکن چشتیہ خاندان میں بھی اسکی

تعلیم ہوتی ہے اور اسکے طریقے کئی ہیں جن میں سے ایک یہاں لکھا جاتا ہے۔
مرشد مریدوں کو سامنے دو زانو بٹھائے اور خود ان کی طرف رخ کر کے دو زانو بیٹھ جائے اور دل کو تمام خیالات سے خالی اور یکسو کر کے اسم ذات یعنی اللہ مریدوں کے دلوں پر ایکسو ایک سانس میں خیال کے اندر پڑھے اور اسم ذات کی ضرب تصور میں مریدوں کے دلپر لگائے اور یہ تصور کرے کہ اسم کی کیفیت ذکر اور اثر جذب و شوق میرے دل سے منتقل ہو کر مریدوں کے دل میں جا رہا ہے۔ اس طرح سے ایک مجلس یا دو چار مجلسوں میں مریدوں کے دلوں کے اندر حرارت ذکر پیدا ہو جائے گی اور وہ متحرک ہو کر ہر قسم کے اذکار و اشغال کے لئے اپنے اندر اہلیت پیدا کر لیں گے اکثر بزرگ تعلیم اذکار اشغال سے پہلے توجہ کو اسی واسطے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے قلب کے اندر ذکر و شغل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے:

ذکر جہر: چشتیہ خاندان میں اخفا بہت زیادہ ہے ذکر جہر یعنی آواز سے ذکر کرنا ان کے ہاں صرف تہجد کے وقت مروج ہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ اذکار و اشغال لوگوں کو سنانے اور دکھانے کو کریں اور تہجد کے وقت بھی ان کے ہاں ہدایت ہے کہ ایسی حالت میں ذکر جہر کیا جائے کہ قریب میں لوگ سوتے ہوں اور اُن کے ذکر سے کسی کی نیند خراب ہو تہجد کے وقت پہلے بارہ رکعت دو دو رکعت کی نیت سے نوافل تہجد پڑھے جائیں اور ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی جائے اور نماز سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے اللھم طھر قلبی عن غیرك ونور قلبی بنور معرفتك ابدا یا اللہ یا اللہ یا اللہ ترجمہ(یا اللہ پاک کر میرے دل کو اپنے غیر سے اور روشن کر میرے دل کو اپنی پہچان کے نور سے ہمیشہ یا اللہ یا اللہ یا اللہ:

اور اسکے بعد توبہ و استغفار پڑھے اور وہ یہ ہے استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ ترجمہ بخشش چاہتا ہوں میں اللہ سے وہ اللہ کہ نہیں ہے کوئی معبود

مگر وہی جیتا جاگتا اور سب کا تھامنے والا۔ اور توبہ کر کے اسکی طرف آتا ہوں ؛

اس کے بعد تین مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ،

(ترجمہ) درود وسلام آپ پر اے اللہ کے رسول درود وسلام آپ پر اے اللہ کے پیارے درود وسلام آپ پر اے اللہ کے پیغمبر ؛

طریقہ ذکر جہر:۔ پھر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائے (یعنی چار زانو) اور داہیں پاؤں کی انگوٹھے اور اسکی برابر والی انگلی سے بایئں پاؤں کے گھٹنے کی جڑ میں نیچے کی طرف رگ کیماس کو پکڑے مضبوطی کے ساتھ د رگ کیماس کا تعلق دل سے ہے اس کے دبانے سے قلب کے اندر حرارت پیدا ہوتی ہے) بیٹھنے میں کمر کو سیدھا رکھنا چاہیئے اور رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے اور دونوں ہاتھ زانو پر رکھنے چاہیئں اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کے تین دفعہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے اور ایکمرتبہ کلمہ شہادت اور اسکے بعد زانو کی طرف اتنا سر جھکائے کہ پیشانی گھٹنے کے قریب پہنچ جائے اور وہاں سے باآواز بلند خوش لحنی کے ساتھ لا الہ شروع کر کے سر کو داہیں زانو کے اوپر سے لاتے ہوئے داہیں مونڈھے تک پھراتا ہوا لائے اور سانس کو اتنا روکے کہ جتنی دیر میں تین ضربیں لگ سکتی ہیں اس کے بعد سر کو تھوڑا سا پیٹھ کی طرف کج کر کے تصور کرے کہ تمام خطرات ماسوا اللہ کو میں نے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بعد سر کو بایئں طرف کی چھاتی کے رخ جھکا کر جہاں کہ دل واقع ہے الا اللہ کی ضرب لگائے اور یہ تصور کرے کہ میں نے عشق الہٰی کو دل میں ٹھہر لیا ؛

لا الہ کو نفی کہتے ہیں اور الا اللہ کو اثبات کہتے ہیں اس واسطے اس ذکر کا نام نفی و اثبات ہے۔ نفی کے وقت آنکھیں کھلی رہنی چاہیئں اور اثبات کے وقت بند اس طرح سے یہ ذکر دو سو مرتبہ کرنا چاہیے۔ اس ذکر کا نام ذکر چہار ضربی ہے اس ذکر میں دفعہ

لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد دسویں مرتبہ محمد رسول اللہ بھی کہنا چاہیے اس کے بعد یہ طریق سابق تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھنا چاہیے۔

ضروری ہدایت:۔ اس ذکر میں یہ ہدایت ضروری ہے کہ مبتدی نفی کے وقت لا معبود کا تصور کرے یعنی جب زبان سے لا الہ کہے تو خیال کرے کہ لا معبود یعنی نہیں ہے کوئی معبود۔ اور درمیانی تعلیم والا نفی کے وقت لا مقصود یا لا مطلوب کا تصور کرے اور انتہائی تعلیم والا لا موجود کا تصور کرے۔

ذکر اثبات مجرد:۔ نفی واثبات یعنی لا الہ الا اللہ کے ذکر کے بعد دو زانو بیٹھ جائے اور اثبات مجرد کا ذکر کرے۔ اثبات مجرد صرف الا اللہ کو کہتے ہیں۔ اس ذکر کے وقت کمر سیدھی رکھے اور سر کو داہیں کندھے کی طرف سیدھا کر کے پوری قوت سے دل پر یعنی بائیں چھاتی کی طرف الا اللہ کی ضرب لگائے اور یہ تصور رکھے کہ سوائے اللہ کے کچھ موجود نہیں ہے۔ اور میرے سوا اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ذکر اثبات مجرد چار سو بار مسلسل کرنا چاہیے اسکو یک ضربی ذکر کہتے ہیں۔

ذکر اسم ذات اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانو بیٹھ کر سر کو داہیں کندھے کی طرف لا کر آنکھیں بند کر کے لفظ اَللّٰہ اَللّٰہ کہے پہلے لفظ اللہ کی حرف (ہ) کا پیش پڑھے اور دوسرے لفظ اللہ کے حرف (ہ) کو ساکن رکھے پہلے لفظ اللہ کی ضرب لطیفہ روح پر لگائے جو داہیں چھاتی کے نیچے واقع ہے اور دوسرے لفظ اللہ کی ضرب دل پر لگائے جو بائیں چھاتی کے نیچے واقع ہے اور اس ذکر کو چھ سو بار کرے اور اسی ذکر میں اسمائے صفات امہات کا تصور رکھے جو اللہ سمیع اللہ بصیر اللہ علیم ہیں۔

ہدایت:۔ جب نو بار اللہ اللہ کہہ چکے تو ایکبار اللہ حاضری کہے اور دوسری دفعہ جب نو کی گنتی پوری ہو تو اللہ ناظری کہے اور جب تیسری بار ۹ کا عدد پورا ہو تو دسویں بار اللہ معی کہے۔

یہ ہے ذکر بارہ تسبیح کا جو تہجد کے وقت کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تہجد کے وقت نہ کر سکے تو اور کسی فرصت اور آسانی کے وقت کر سکتا ہے۔ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی جناب میں فاتحہ پڑھنی چاہئے

ذکر پاس انفاس:۔ اس کے طریقہ بہت اقسام کے ہیں جن میں آسان اور عام فہم دو طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

نفی و اثبات کا پاس انفاس:۔ یہ ہے کہ جب اندر کا سانس جائے تو لا الہ کہے اور جب باہر کا سانس آئے تو کہے صرف سانس سے کہے اس طرح کہ پاس والے کو ذکر کرنے کی خبر نہ ہو۔

ہدایت:۔ ذکر نفی اثبات کے ہر حصہ میں یعنی اندر باہر کے ہر سانس کے وقت نظر ناف پر رہنی چاہئے۔ اور منہ کو بند رکھنا چاہئے۔

اسم ذات کا پاس انفاس:۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان تالوسے لگائے اور منہ بند کرلے اور جب اندر کا سانس لے تو لفظ اللہ کو ادا کرے اور سانس کو اتنا روکے کہ تمام پیٹ اور چھاتی سانس سے بھر جائے اور یہ تصور کرے کہ اللہ تمام باطن میں پھیلا ہے۔ اس کے بعد آہستہ سے سانس کو ناک کے راستہ باہر لائے اور باہر لاتے وقت ہو کہے یعنی اندر کے سانس میں اللہ اور باہر کے سانس میں ہو کہنا چاہئے۔

ذکر اسم ذات کے اقسام:۔ اسم ذات کا ذکر یک ضربی بھی ہوتا ہے اور دو ضربی بھی اور سہ ضربی بھی اور چہار ضربی بھی۔

یک ضربی کا ذکر یہ ہے کہ لفظ اللہ کی پوری قوت سے آواز بلند دل پر ضرب لگائے اور دو ضربی میں اول ضرب داہنے زانو پر اور دوسری دل پر اور سہ ضربی میں اول داہنے زانو پر دوسری بائیں زانو پر تیسری دل پر اور چہار ضربی میں اول

دائیں زانو پر دوسری بائیں زانو پر۔ تیسری روح پر۔ چوتھی دل پر۔ اس ذکر میں آنکھیں بند رہنی چاہییں ؛

حبس دم:۔ یہ شغل تمام صوفیوں میں ضروری مانا گیا ہے۔ خصوصاً چشتی اور قادری اس کے مفید ہونے کے زیادہ قائل ہیں۔ مگر نقشبندی اس کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے تاہم اس کے اچھے ہونے کے قائل ہیں ؛

حبس دم سانس کی ایک ورزش ہے علاوہ روحانی ترقی کے جسمانی قوت کو بھی بہت فائدہ ہوتا ہے حبس دم کے بعض طریقوں سے میں نے سل ودق کے بیماروں کا علاج کیا ہے اور بہت مفید پایا۔ مگر بیماروں سے ان کی طاقت کے موافق حبس دم کرانا چاہیے۔ ورنہ ذرا سی بے احتیاطی میں مریض کی حرارت بجائے کم ہونے کے اور بڑھ جاتی ہے حبس دم کا طریقہ یہی ہے کہ ناک اور منہ بند کرکے سانس کے روکنے کی طاقت بڑھائی جائے اشغال میں اسکے طریقہ جداگانہ ہیں ؛

ہدایت:۔ اس خطرے سے ہر شخص کو آگاہ رہنا چاہیے کہ کمزور سینہ والے کو یا جن کے بدن میں خون کم ہے یا قلب و دماغ میں کمزوری ہے وہ حبس دم اور ذکر جہر ہرگز نہ کریں بلکہ ذکر خفی پر اکتفا کیا جائے ورنہ طرح طرح کے امراض کا اندیشہ ہے میں نے ذکر حدادی اور ذکر آرہ اور ذکر چار ضرب وغیرہ کو اسی واسطے یہاں بیان نہیں کیا کہ میرے خیال میں آجکل لوگوں کی جسمانی قوت ان اذکار کے قابل نہیں ہے اور صرف اسم ذات کا پاس انفاس کافی سمجھتا ہوں۔ یا شغل محمود و شغل نصیر اور شغل سلطان الاذکار کہ یہ سب چیزیں ترقی روحانیت و تسکین حواس کے لیے بالکل کافی ہیں ؛

شغل نصیر:۔ یہ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا خاص شغل ہے اور اس سے خطرات قلب دور ہو جاتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ صبح یا

شام کے وقت قبلہ رُخ دوزانو بیٹھ جائے اور دل کو یکسو کر کے دونوں آنکھوں کی نظر ناک کی چونچ پر جمائے اور پلک نہ جھپکنے دے اور اس دید میں ایک نورِ غیر معین کا تصور رکھے۔ شروع شروع میں آنکھوں میں درد ہوگا اور پانی بہیگا مگر رفتہ رفتہ عادت ہو جائے گی۔

شغلِ محمودہ:۔ اس شغل میں نظروں کو دونو بھوؤں کے اس جوڑ پر جمایا چاہیے جو ناک کے اوپر اور پیشانی کے نیچے واقع ہے۔ یہ ذرا مشکل ہے مگر فائدہ بہت ہے۔ ہندو فقرا کے ہاں بھی اس طرز کا ایک شغل ہے جس کو ترکٹی کہتے ہیں۔

ان اشغال سے نماز کے اندر خطرے نہیں آتے اور یہ بہت مجرب علاج دفعِ خطرات کا ہے خصوصًا شغل نصیرا۔

سلطان الاذکار:۔ سلطان الاذکار کے طریقہ بہت سے ہیں مگر آسان طریقہ یہ ہے کہ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ منہ۔ ہاتھ کی انگلیوں سے بند کر کے سانس کو ناف کے نیچے سے کھینچے اور دماغ تک لیجائے اور وہاں اس کو روک لے اور طاقت کی موافق کچھ دیر روکے رکھے اور جب سانس کو ناف کے نیچے سے اوپر لیجانے لگے تو اللہ سانس میں کہے اور جب دماغ میں سانس کو حبس کرے تو ھو کہے اور ھو کہتے وقت لطیفہ اخفی پر دل کی آنکھ کو لگائے رکھے۔ لطیفہ اخفی ام الدماغ میں ہے اور جب حبس دم کی طاقت ختم ہونے لگے تو ناک کی راہ سانس چھوڑ دے اور دوبارہ ایسا ہی کرے اس طرح شروع شروع میں صرف دو چار بار کرنا چاہیے اور رفتہ رفتہ مدت حبس دم کو بڑھاتا جائے۔

شغلِ صوتِ سرمدی:۔ سلطان الاذکار کی ایک قسم شغل صوت سرمدی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھ۔ کان۔ ناک منہ بند کر کے تصور کرے کہ پانی گرنے یا آواز کے تصور میں یہ خیال کرتا چاہیے کہ کسی اونچی جگہ سے نیچی جگہ پانی بہاں گر رہا ہے

اس تصور کی حالت میں اسم ذات کا شغل بھی قلب اور لطیفہ اخفےٰ میں جاری رکھنا چاہیئے۔ رفتہ رفتہ تصور کی یہ آواز اصلی آواز بنجائیگی اور غیب کی وہ صدا سنائی دینے لگیگی جس کی طلب ہر مہجور کو ہے اور جس کو حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر سنا تھا۔

شغل میت: سلطان الاذکار کی ایک قسم کو شغل میت بھی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لیٹ کر دونوں پاؤں کے انگوٹھے آپس میں باندھ لئے جائیں۔ اور یکسو ہوکر حبس دم کرکے زیر ناف سے لفظ اللہ کو سانس کے ساتھ اٹھایا جائے اور ام الدماغ میں سانس کو روک کر صوت سرمدی کا تصور کیا جائے اور کچھ دیر کے بعد جبکہ حبس دم کی طاقت ختم ہو سانس ھو کہکر ناک کے راستہ چھوڑ دیا جائے

اس میں چونکہ شاغل مردہ کی طرح بے حس وحرکت ہوکر شغل کرتا ہے اور صورت بھی میت کی سی بناتا ہے اس واسطے اس کو شغل میت کہتے ہیں۔

ضروری ہدایت: میں نے آسان اذکار واشغال لکھے ہیں اور عام فہم الفاظ میں ان کی ترکیب لکھی ہے پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جسمانی طاقت اور افکار دنیا کی کثرت وقلت کا خیال کرکے ان کو کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ہر شخص دنیا کے کاروبار ترک کرکے رات دن یہی اشغال کرنے شروع کردے۔ بلکہ ایک وقت اس کام کے لئے مقرر کرلینا چاہیئے۔ نیز کسی واقف کار درویش سے زبانی پوچھ بھی لینا چاہیئے۔ ایسا نہو کتاب کے الفاظ اچھی طرح سمجھ میں نہ آئیں اور شغل میں غلطی ہو جائے کیونکہ غلطی ہو جانے سے بعض اوقات حواس خراب ہو جاتے ہیں اور انسان دیوانہ ہو جاتا ہے خصوصًا کمزوری دماغ کی حالت میں حبس دم کے اشغال مناسب نہیں ہیں اور پھیپھڑے کی خرابی ہو تو جہر کا ذکر نقصان دیتا ہے۔

جو شخص اس کے خلاف کہے تو سمجھ لو کہ وہ لکیر کا فقیر ہے اور مصلحت عامہ کے فہم کی صلاحیت اس میں نہیں ہے

مراقبے

اب میں چند مراقبوں کے طریقے لکھتا ہوں لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مراقبہ

ایک خاص صورت کا نام ہے جو تصور کی قوت بڑھانے اور کسی خاص چیز کی تاثیر و برکت حاصل کرنے کو بنائی جاتی ہے عربی زبان میں رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ چونکہ مراقبہ گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اس واسطے اس کا نام مراقبہ رکھا گیا ہے اور چونکہ خطرات نفسانی و شیطانی سے محفوظ رہنے اور معشوق قلب کو ایک رقیب کی طرح اغیار کے خیالات سے بچانے کے لئے یہ مشق کی جاتی ہے اس واسطے بھی اس کا نام مراقبہ ہے۔

ہر مراقبہ میں دو زانو بیٹھنا گردن جھکانا اور آنکھیں بند کر کے تصور کرنا ضروری ہے اس واسطے میں ایک مراقبہ کی کیفیت مفصل لکھ دیتا ہوں اور باقی مراقبوں کا سرسری ذکر کر دینا کافی ہے۔ اسی پر سب مراقبوں کو قیاس کر لینا چاہئے۔

مراقبہ اسم ذات:۔ دل کی پراگندگی اور خرابی تین وجہ سے ہوتی ہے ایک تو نفس کی خرابی سے کہ وہ ہر وقت قلب کو تباہ کرنے اور بگاڑنے کی جستجو کرتا رہتا ہے دوسرے ناگہانی تعلقات دنیا کی کثرت کے سبب دل پریشان رہا کرتا ہے پس ایسی حالتوں میں اسم ذات کا مراقبہ کرنا چاہئے اس سے طمانیت قلب اور تسکین احساس کی نعمت حاصل ہو گی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو دو زانو قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر گردن جھکائے اسم ذات کا تصور کرے یعنی اسم اللہ کا تصور جمائے اس سے نفس کی شرارتیں جاتی رہیں گی اور ناگہانی خطرات کی کثرت ہو تو اسمائے صفات امہات یعنی یا سمیع یا بصیر یا علیم کا تصور کرے اور تعلقات دنیا کی کثرت کے سبب خطرے پیدا ہوتے ہوں تو اپنے مرشد کا تصور کرے۔

شروع شروع میں مراقبہ ایک تکلف اور تکلیف معلوم ہو گا مگر رفتہ رفتہ عادت ہو جائیگی اور تصور کی قوت اس کو کمال تسکین احساس تک پہنچا دیگی۔

دیدار الٰہی کا مراقبہ:۔ اس کے لئے ترکیب مذکورہ کے موافق آیت الم یعلم بان اللہ یریٰ کا تصور کرے۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں (کیا جانتا نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے) پس مراقبہ میں یہ خیال کرنا چاہئے کہ اللہ مجھکو دیکھ رہا ہے اور پھر اس کے بعد جب مشق بڑھ جائے تو

یہ تصور کرے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں

خدا سے یکجائی کا مراقبہ:۔ اس مراقبہ میں اس آیت کا تصور کرنا چاہئے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (اللہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو) اس تصور میں خدا کی معیت اور یکجائی کے خیال کو اس قدر بڑھایا جائے کہ خدا اپنے ساتھ نظر آنے لگے۔

ہمہ اوست کا مراقبہ:۔ اس میں آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کا تصور کیا جاتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہی ایک ذات ہے کہ اول بھی وہی آخر بھی وہی ظاہر بھی وہی۔ باطن بھی وہی۔

مراقبہ قرب خاص:۔ اس میں آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کا تصور کیا جاتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں اس مراقبہ میں ذات الٰہی کو اپنے بالکل قریب تصور کرنا چاہئے

وحدت وجود کے مراقبے:۔ کئی ہیں جن میں آیت اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اور كَانَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا اور وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ اور فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وغیرہ ہیں

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تم جدہر رخ کرو اسی طرف خدا کی ذات ہے اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات تمہاری نگہبان ہے اور تیسری کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات ہر شے کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور چوتھی کا ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفوس کو کیوں نہیں دیکھتے اور پانچویں کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ اللہ جیتا جاگتا اور سب کو قائم رکھنے والا ہے

مراقبہ ہوا۔ یہ تخلیہ کی حالت میں اس طرح کیا جاتا ہے کہ آنکھیں کھول کر سامنے کی ہوا یا اوپر کی خالی فضا کو دیکھتے ہیں اور پلک نہیں جھپکنے دیتے اس سے دل میں حرارت عشق اور آنکھ میں ایک عجیب اثر حیرت پیدا ہو جاتا ہے۔

مراقبہ ہوا کا ایک یہ طریقہ بھی ہے کہ ایک تاریک حجرے میں آنکھ کھول کر خلا کو دیکھتے ہیں نظر جما کر بغیر پلک کے جھپکانے کے۔

تم ہی ہو میں نہیں ہوں۔ مراقبہ میں یہ تصور بڑھایا جائے کہ تم ہی ہو میں نہیں ہوں یعنی اللہ ہی ہے اور میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تو اس سے بہت جلد نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور مشاہدات قرب ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

تصور میں یہی فقرہ جمایا جائے۔ تم ہی ہو میں نہیں ہوں۔

مراقبہ کا فلسفہ: حاصل مقصد یہ ہے کہ مراقبہ تصور کی ایک ورزش ہے جو شخص اس ورزش کو جانتا ہے وہ تسکین احساس سے محروم نہیں رہتا اور جب اس کی مشق تصور بڑھ جاتی ہے تو ہر دینی و دنیاوی کام میں اس کی قوت تصور مدد دیتی ہے۔

طبع ثانی

یہ رسالہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۰ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اب چوتھے سال دوبارہ شائع ہوتا ہے۔ اشاعت اس کی ضرورت میں اس واسطے ہوا کہ اب لوگوں کا مذاق بدل گیا ہے اور کاغذ بھی رسالہ کا پہلے خراب تھا اور چھپائی بھی کاغذ کی خرابی کے سبب اچھی نہ تھی اور قیمت بھی آٹھ آنے زائد تھی اب کاغذ اور چھپائی عمدہ کرکے قیمت میں دو آنہ کی کمی کر دی گئی ہے۔

حسن نظامی

رمضان سنہ ۱۳۴۲ھ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

۱۲۹

(بسنت القلم میں لکھا گیا) ۹۲۷

سفرنامہ

ہندوستان

سنہ ۱۹۰۶ء کا روزنامچہ ہے جسمیں حسب ذیل حالات ہیں بمبئی کے تمام دلچسپ نظارے، سومنات مندر کے چشمدید حالات، غازی محمود غزنوی۔ جنگی میدان کے سین، ریاست منگرول کاٹھیاواڑ کے مشہور بندرگاہ۔ ریاست جوناگڑھ کے تاریخی مقامات۔ احمد آباد گجرات کی تاریخی عمارات اور بزرگان دین کے مزارات ریاست بڑودہ کے عجیب وزیب قرآن شریف وغیرہ یادگاروں کا مفصل تذکرہ ضخامت ۲۰۰ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ دوسرا ایڈیشن قیمت بارہ آنے ۱۲/

اعمال حزب البحر

۹۸ صفحہ کی کتاب ہے لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ۵ دفعہ چھپی ہے اس میں مشہور دعا حزب البحر کے وہ تمام مخفی اعمال جمع کئے گئے ہیں جو ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مشائخ میں صدیوں سے مروج ہیں حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری کا ارشاد ہے کہ خواجہ حسن نظامی کی تصنیفات میں یہ تصنیف سب سے اعلیٰ اور بہتر ہے قیمت ۱۰/

کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو سے منگائیے